سیّد علی ہجویریؒ (داتا گنج بخشؒ) کے پیرومرشد

شیخ ابوالفضل خُتّلیؒ

تالیف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

استاذ کرسئ ہجویریؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

سیّد علی ہجویریؒ (داتا گنج بخشؒ) کے پیر و مرشد

شیخ ابوالفضل ختلیؒ

تالیف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
استاذ کرسی ہجویریؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

102285

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: شیخ ابوالفضل خُتلیؒ

نام مصنف: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

تعداد صفحات: ۱۸۸

تعدادِ نسخ: ۵۰۰

قیمتِ نسخہ: ۲۰۰

کمپوزنگ: میاں عمران علی

پروف ریڈنگ: سیّد ارشاد حسین

سرورق: محمد نوید ریاض

طبع اوّل: شوال ۱۴۳۲ھ/ستمبر ۲۰۱۱ء

طابع: محمد خالد خان، ڈائریکٹر طباعت و آشاعت، جامعہ پنجاب لاہور

ناشر: شعبہ کرسی ہجویری، کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

انتساب

داتا پیر مرشدِ لاہور
سیدابوالحسن علی ہجویریؒ
کی روحِ پُرفتوح کی
نذر

ظہوراحمداظہر

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

سوانح نگاری ایک فن ہے، نازک بھی، مشکل بھی مگر دلچسپ بھی! نازک اس لئے ہے کہ معمولی سی لغزش سے دنیا کچھ کی کچھ ہوسکتی ہے، بے انصافی کی طرف جھکاؤ ہو جائے تو دل آزاری کا سامنا ہوسکتا ہے، بات غلط ہو جائے تو تہمت بھی بن سکتی ہے، مبالغہ یا خوشامد کا تاثر پیدا ہو جائے تو قلم اور صاحب قلم دونوں کہیں کے نہیں رہتے، دنیا اور اہل دنیا کی نظروں سے گر جاتے ہیں، صاحب قلم غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو آفت آ جاتی ہے اور قاری غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے تو وبال جان ہے اور اگر خوش فہمی کا رنگ چڑھ جائے یا خوش عقیدگی میں گرفتار ہو جائیں تو جگ ہنسائی کا سامان ہو جاتا ہے! مگر سوانح نگاری دلچسپ کام بھی ہے، مصادر و مراجع کی ورق گردانی سے علوم و معارف کے ساتھ ساتھ تجربات کی دنیا کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں! چونکہ سوانح نگاری ایک فن ہے اور ہر آدمی فنکار نہیں ہوتا اس لئے ہر لکھنے والا سوانح نگار نہیں بن سکتا البتہ آزمائش کی دنیا بہت وسیع ہے۔ اس لئے آزمائش کے میدان میں اترنا ہر انسان کا حق ہے! مجھے فنکاری کا دعویٰ ہے نہ سوانح نگاری کا لیکن آزمائش کے میدان میں کودنا میرا بھی حق ہے اس لئے میں نے بھی اس میدان میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ درست ہے یا غلط؟ اس کا فیصلہ محترم قارئین کا حق ہے۔

سوانح نگاری کا نازک، مشکل اور دلچسپ کام ذمہ داری کا کام بھی ہے اس کام سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بہت سی شرائط میں سے پانچ بہت اہم ہیں:

Marfat.com

۱۔ صداقت یعنی ہر قدم اور ہر موڑ پر کسی حال میں بھی سچائی کا دامن نہ چھوٹے۔

۲۔ امانت یعنی ہر بات، ہر بیان اور ہر مسئلہ میں دیانت داری اور امانت کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔

۳۔ محنت، علم اور معرفت کی دنیا میں شمع کی طرح پگھلنا پڑتا ہے، جو لوگ علم و معرفت کی دنیا میں محنت اور مشقت سے پہلو تہی کرتے ہیں، انہیں اس دنیا سے نکل آنا چاہیے۔

۴۔ ہمدردی، جس شخصیت کی سوانح عمری لکھنا مقصود ہے اس کے ساتھ قلم اور صاحب قلم کو پوری پوری ہمدردی ہونا چاہیے۔

۵۔ عدل، عدل وانصاف ہر جگہ اور ہر لحہ درکار ہے مگر سوانح نگاری میں تو اس صفت سے ہرگز عاری نہیں ہونا چاہیے۔

اس سوانح نگاری کا تعلق اگر کسی دینی اور روحانی شخصیت سے ہو تو پھر اس کی نزاکت، مشکلات اور ذمہ داریاں دو چند ہو جاتی ہیں، مگر میں نے سوانح نگاری سے نابلد ہونے اور فنکاری سے قطعی محرومی کے باوجود یہ معمولی سی خدمت انجام دینا قبول کیا ہے تو اس کے پس منظر میں قوتِ محرکہ عقیدت اور محبت ہے اور اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور مجھے یقین ہے بلکہ میرا ایمان ہے کہ عقیدت و محبت کی قوتِ محرکہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک مراحل بڑی کامیابی کے ساتھ عبور کر لیتی ہے، مجھے حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت بھی ہے اور میں ان کا عقیدت مند بھی ہوں، میں نے چاہا کہ کسی نہ کسی طرح حضرت داتا پیر کی روح پرفتوح کو خوش کر دوں، چنانچہ میں نے ان کے پیر و مرشد صوفی عالم حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی شامی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات مرتب کرنے کا عزم کیا اور متوکلاً علی اللہ یہ نازک، مشکل مگر دلچسپ کام شروع کر دیا۔

Marfat.com

لیکن مجھے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ اس عظیم صوفی و محدث کی عہد ساز شخصیت کے متعلق معلوماتی مواد بہت ہی کم دستیاب ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے مگر بایں ہمہ میں نے کچھ نہ کچھ معلومات جمع کرنے اور ہر حال میں انہیں کتابی شکل دینے کا عزم کر لیا کیونکہ یہ فریضہ انجام دینے اور داتا پیر کی روح پرفتوح کو خوش کرنے کے کچھ اسباب تھے اور اس ضمن میں کچھ مقاصد بھی پیش نظر تھے، ان اسباب اور ان مقاصد سے قارئین محترم کو بھی آگاہ کرنا بے حد ضروری ہے۔

اہم اسباب میں سرفہرست تو یہ احساس تھا کہ مرشد لاہور حضرت داتا صاحب کا ہم لاہوریوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خطۂ لاہور کو مشرف بہ اسلام کیا بلکہ بقول اقبال ہماری خاک پنجاب ان کے دم سے زندہ ہوگئی ہے (خاک پنجاب از دم او زندہ گشت) اور سرزمین ہند میں اسلام کا بیج بھی انہوں نے ہی بویا ہے (در زمینِ ہند تخم سجدہ ریخت)، جس طرح آج ہم اس سیّد میر حسن کو نہیں بھول سکتے جس نے ہمارے لئے اقبال تیار کیا تھا اسی طرح ہمیں شیخ محمد ختلیؒ کی عظمت کو بھی سلام کرنا چاہیے جس نے ہمارے لئے مرشدِ لاہور کو تیار کیا تھا۔

مگر اہم مقاصد میں سے سرفہرست آج کے مسلمانوں کو یہ احساس دلانا تھا کہ ''در زمین ہند تخمِ سجدہ ریخت''، محض شاعرانہ خیال نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سید ابوالحسن علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی لاہور کو اسلامی لاہور بنایا، اسے عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل بنایا اور بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ انہوں نے لاہور کو پورے برعظیم کے لئے قطب ارشاد (ہدایت کا محور) بنا دیا حتیٰ کہ خواجہ اجمیرؒ بھی ''گنج بخش فیض عالم'' کی عظمت کا اعتراف کر کے ہی آگے بڑھے تھے جن کی برکت سے چشتی بزرگوں نے ہندوستان کا مقدر اسلام سے جوڑ دیا، ان بزرگوں کی خدمات سے آگاہی ہمارے قومی مفاد میں ہے لیکن اس سے بھی کہیں اہم

Marfat.com

اور سب سے بڑھ کر آج کے مسلمان کو اس حقیقت کا احساس دلانا ہے کہ آج کے برہمن اور یہودی اپنے سامراجی آقاؤں سمیت سنٹرل ایشیا کے مسلمانوں کے تاریخی کردار سے خائف ہیں مگر کیوں؟ اس کے لئے شیخ محمد ختلیؒ اور ان جیسے اصحاب علم و عرفان کے زورِ قلم کے نتائج اور ترکوں کی شمشیر زنی کے کارناموں سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے احسان کو پہچانے اور مانیں۔ اس مقصد کے لئے یہ معمولی سی کاوش ان شاء اللہ حرف اوّل کا کام دے گی۔

لاہور ۱۶۔ جولائی ۲۰۱۱ء

ذرۂ خاکِ پائے مصطفیٰ

ظہور احمد اظہر

پروفیسر ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

مقدمہ

یہ مختصری کتاب اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے نیک بندے کا ذکرِ خیر ہے جسے زاویہ نشینی اور گمنامی کی زندگی بہت پسند تھی، وہ جس نے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ گوشہ گمنامی اور تنہائی میں رہ کر یکسوئی اور انہماک کے ساتھ یادِ خدا میں بسر کردیا، وہ جو شہرت عام کے خوف سے کوہِ لکام کی گھاٹیوں میں لوگوں کی نگاہوں سے دور چھپتے چھپاتے اللہ! اللہ! کرتا پھرا، مگر علم و معرفت کے متوالے پھر بھی قدم بوسی کے لئے اس کے آستانے تک پہنچتے اور فیض پاتے رہے! اکثر و بیشتر وہ گوشۂ تنہائی میں اپنے رب کی یاد کے سہارے زندگی گزارتا رہا اور بالکل تنہائی اور گمنامی کے عالم میں ہی اپنی جانِ شیریں اپنے جان آفرین کے سپرد کر کے راہی ملک بقا ہوگیا، بایں ہمہ، آج بھی اس کا نام نامی شہرۂ آفاق اور زندۂ جاوید ہے کیونکہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما!

دراصل یہ ایک ایسے مردِ حق کی داستان ہے جو اس کاروانِ حق کی خاکِ راہ کو اپنے لئے کحلِ بصر جانتا اور مانتا تھا جو خدائی نعرۂ ''اقرأ'' کے ساتھ غارِ حرا سے روانہ ہوا تھا! جی ہاں! وہی کاروانِ حق جو وحیِ ربانی کی روحانی و نورانی فضا کے جلو میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادتِ مرشدانہ میں آئین خداوندی کا نسخۂ کیمیا لے کر اس عزم اور اس اعلان کے ساتھ نکلا تھا کہ آج سے روئے زمین پر صرف اسی اللہ رب العزت کا حکم چلے گا۔ صرف اسی کو سجدہ ہوگا جو سب کا خالق و مالک ہے، آج سے احترام آدمیت اور اولادِ آدم کی عظمت قرطاس و قلم سے وابستہ ہوگئی، صرف اہلیت وصلاحیت ہی معیار ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ذکر و

Marfat.com

عبادت کا حق دار ہے کیونکہ وہی اعظم و اکبر اور وہی اجل و اکرم ہے۔

وہ کاروان حق دراصل انسانیت کا مقدر سنوارنے، اللہ تعالیٰ اور انسان کا باہمی رشتہ واضح کرنے اور اللہ رب العزت کی اس وسیع و بے پایاں، ہر دم بڑھتی پھیلتی اور مسلسل تغیر پذیر کائنات میں حضرت انسان کا مقام و کردار متعین کرنے کے لئے نکلا تھا۔ اس کاروانِ حق کی قیادت و رہنمائی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس لئے سونپی گئی کہ وہ تخلیق اور وجود کے اعتبار سے تو اول النبیین ہیں مگر بعثت و ظہور کے لحاظ سے آخر النبیین ہیں اور میثاقِ ازل کی رو سے جنہوں نے تمام انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کی تصدیق بھی فرمانا (۱) تھی چنانچہ وہ جب ایک نسخہ کیمیا ساتھ لے کر ''غار حرا سے اتر کر سوئے قوم (۲)'' آئے تھے تو روئے زمین پر ایک تہلکہ سا مچ گیا تھا اور کائنات کے گوشے گوشے میں سنائی دینے والا غلغلہ عرش بریں سے پورے زور و شور سے بلند ہوا تھا، وہ کاروانِ حق آج بھی قیادتِ مصطفوی، علی صاحبہا السلام، کے جلو میں ہی رواں دواں ہے اور ہمیشہ رہے گا، باذن اللہ و توفیقہ۔

اس کاروانِ حق کی راہ میں ابھی بھی وہی شمعیں فروزاں ہیں جن کی روشنی غار حرا کی پاک اور روشن کرنوں سے مستعار ہے، یہی تو وہ شمعیں ہیں جو قلب و نگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے غار حرا میں روشن ہوئی تھیں پھر انہیں تیرہ سال مکہ مکرمہ کے دارِ ارقم اور پھر دس سال مدینہ منورہ کے صفۂ مسجد نبوی میں مسلسل اور پورے اہتمام کے ساتھ سنوارا سجایا جاتا رہا اور انسانیت کو پیغام یہ دیا گیا کہ انسان خود بخود بنتے نہیں بنانے پڑتے ہیں، خود بخود سنورتے نہیں سنوارنے پڑتے ہیں۔ اسی بننے بنانے اور سنورنے سنوارنے سے ہی کام بنتے ہیں، اگر یہ بننا بنانا اور سنورنا سنوارنا نہ ہو تو کسی بھی مہتم بالشان کام کے لئے تربیت یافتہ کارکن نہیں ملتے اور اگر تربیت یافتہ کارکن میسر نہ ہوں تو پھر نہ کوئی تحریک کامیاب ہوتی ہے اور نہ دنیا میں کوئی ہمہ گیر انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

یہ ایک پیغام تھا جسے سب نے سنا مگر یہ ایک سبق بھی تھا جسے بہت کم لوگ ہی یاد رکھ سکے اور اس پر عمل کی توفیق تو بہت ہی کم کم ہو سکی اور وہ بھی صرف اللہ کے نیک بندوں کو، تعلیم تو

Marfat.com

کسی نہ کسی رنگ میں باقی اور جاری رہی مگر تعلیم سے تربیت غائب ہوگئی، حالانکہ انسان صرف تعلیم سے مکمل انسان نہیں بنتا، علمی پہلو باقی رہے اور عملی پہلو پس پشت ڈال دیا جائے تو کام نہیں بنتا، تھیوری یا قاعدہ اور فارمولا رٹ لینے سے بات نہیں بنتی، اس تھیوری اور فارمولے کو عملی میدان یا پریکٹیکل تجربہ گاہ سے گزارنا ہوتا ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم تو ایسے ہی ہے جیسا روح کے بغیر جسم! اسی لئے تو مکہ مکرمہ کے دارِارقم میں اور مدینہ منورہ کے صفۂ مسجد نبوی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے مرحلہ سے بھی انسانوں کو گزارا گیا، اسی مرحلہ کو قرآن کریم میں تزکیہ اور کردار سازی کا نام دیا گیا، نظریاتی اصولوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ اور کردار سازی یا تھیوری کے ساتھ پریکٹس کو لازمی ٹھہرایا گیا تب کہیں جا کر صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم، کی وہ عظیم و جلیل جماعت تیار ہوئی جن میں سے ہر فرد اپنے کام کا مردِ میدان بن کر باہر آیا اور اس جماعت کے معلم اعظم اور بے مثل مربی (تربیت دینے والا) نے بڑے اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ اعلان فرمایا تھا کہ (۳):

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

ترجمہ: ''میرے صحابہ تو رہنمائی کے ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت یا سیدھی راہ پالو گے۔''

اسلام کے معلم و مربی اعظم ﷺ کے حوالے سے ایک قرآنی آیت ہے جو تین مختلف قرآنی سورتوں میں دہرائی گئی ہے الفاظ تو ہر جگہ تقریباً وہی ہیں مگر ہر جگہ پیغام اور مقصد جدا جدا ہے اس لئے یہ تکرار اپنا حسن و جمال لئے ہوئے ہے اور یوں یہ حسین تکرار اعجاز القرآن کے رنگ میں ڈھل گیا ہے۔ سورت بقرہ میں یہ آیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کی صورت میں ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں حضرت ھاجرہ کو بے آب و گیاہ وادیٔ بطحا میں بیت اللہ کے جوار میں آباد کرتے ہوئے مانگی تھی کہ (۴)

اے میرے رب! میرے اس بیٹے کی نسل میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو انہیں تیری آیات تلاوت کر کے سنائے، انہیں کتاب کا علم دے اور انہیں حکمت و دانائی سکھائے

Marfat.com

اور ان کے باطن کو تربیت اور تزکیہ سے پاک بنائے ....!

یہی آیت معمولی سے فرق کے ساتھ سورت آلِ عمران میں بھی آئی ہے (۵) مگر یہاں پر اہلِ ایمان اور دنیائے انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم جتانے کے لئے آئی ہے کہ اس نے دعائے خلیل کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنا وہ رسول بھیج دیا ہے جو انہیں میں سے ہے اور جو دعائے خلیل اللہ علیہ السلام کا ثمر ہے! پھر یہی آیت الفاظ کے معمولی سے فرق کے ساتھ سورت الجمعہ (٦) میں بھی مکرر آئی ہے مگر یہاں پر مدعا اور مقصد یہ ہے کہ اے انسانو! تم اللہ رب العزت کو پہچان گئے ہونا؟ یاد رکھنا رب کی یہ پہچان اسی رسول اولین و آخرین ﷺ نے کرائی ہے جس کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ اس لئے کہ تم مصطفیٰ ﷺ کے جلال و جمال کے ساتھ ساتھ ان کے عروج و کمال سے بھی بخوبی آگاہ ہو کہ جس نے تمہاری دنیا کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا ہے اور ایسا بے مثل انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے جس سے تم بخوبی آگاہ ہو تو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ میں اعظم و اکبر اور اعلیٰ و اجل وہی رب العالمین ہوں جس نے اس رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا!!

اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ تین بار مکرر اس لئے بھی نازل فرمائی تا کہ دنیائے انسانیت یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کامیاب تر تحریک کے لئے اور عظیم تر انقلاب لانے کے لئے تربیت یافتہ کارکن ضروری ہوتے ہیں، یہ کارکن خود بخود نہیں بنتے، بنانے پڑتے ہیں! اس لئے یاد رکھو کہ تعلیم کے ساتھ تربیت و تزکیہ بھی لازمی ہے! تحریک اسلامی کی یہی امتیازی شان ہے! اور کاروانِ حق کی نظر میں یہی اسلامی تصوف ہے۔

قرآن کریم میں تین مرتبہ تکرار کے ساتھ وارد ہونے والی یہ آیت کریمہ اسلامی نظام زندگی کی روح بھی ہے اور اہل ایمان کا دستور حیات بھی! اس روح اور دستور حیات کے چار نمایاں پہلو ہیں:

(۱) تلاوت قرآن (۲) تعلیم کتاب

(۳) تعلیم حکمت و تدبر (۴) تزکیۂ باطن و تعمیر کردار (۷)

Marfat.com

ان میں سے ہر ایک پہلو اپنی جگہ نہایت اہم اور مستقل معنی و مفہوم کی دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لیکن یہاں پر صرف پہلا اور آخری یا چوتھا پہلو ہماری فوری اور لازمی توجہ کے طالب ہیں۔

تلاوتِ آیاتِ قرآنی کا تقاضا جہاں عبادت و ذکر اللہ ہے وہاں اس سے مقصود احکام قرآنی کا فہم وادراک اور ان پر عمل بھی ہے، ان احکام قرآنی میں وحدت ربانی یا عقیدہ توحید کا ادراک سرفہرست ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے انسانو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو، وہی تو ہے جس نے تم سب کو ایک ہی انسان سے پیدا کیا ہے(۸)۔''

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، آدم علیہ السلام کی تخلیق اور پھر ان سے تمام اولاد آدم کے وجود میں آنے کی طرف متوجہ کرتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے کے ساتھ ساتھ تمام اولاد آدم کی وحدت کو تسلیم کرنے کا بھی حکم ربانی ہے! جب پیدا کرنے والا ایک وحدہ لاشریک ہے اور سب کا باپ بھی ایک ہی ہے تو پھر سب کے سب انسان آپس میں برابر، ایک اور بھائی بھائی ہی تو ہیں۔

توحید ربانی اور وحدت نسل انسانی کا یہ اعلان ہی تھا جس نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا اور ہر گوشے اور ہر کونے میں ایک غلغلہ برپا کر دیا تھا! توحید ربانی اور وحدتِ نسل انسانی کے اس اعلان سے جہاں رنگ و نسل اور خاندانی غرور و برتری کے ستائے ہوئے غلاموں، زیردستوں اور غریبوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی وہاں نسلی برتری اور رنگ و نسل کے غرور میں مبتلا نام نہاد اونچے اور بڑوں نے اسے اپنے لئے موت کا پیغام سمجھا تھا، خصوصاً نسل پرست یہودی اور بتوں کے پجاری برہمن اور مہنت تو جل اٹھے تھے، فکر اور عقیدہ کی آزادی اور انسانی برادری اور برابری کا تصور انہیں کسی طرح بھی گوارا نہ ہو سکا، چنانچہ اس وقت بھی عرب کے مشرک اور یہودی متحد ہو کر اسلام کے سب سے بڑے دشمن بن گئے تھے اور آج بھی دنیا بھر کے مشرک یا

Marfat.com

بت پرست اور یہودی ہی اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے اور کھلے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی ہمیں یہود و مشرکین کی اس ازلی عداوت سے خبردار کیا تھا اور یہ ازلی عداوت آج بھی اسلام دشمنی اور مسلم کشی میں اپنا رنگ دکھا رہی ہے، ارشاد ربانی ہے (۹):

''اے مخاطب! یہ پکی بات ہے کہ تو ایمان والوں کا شدید ترین دشمن یہود کو پائے گا یا ان لوگوں کو جو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

اسلام اور مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے اور دنیا بھر کے مشرکوں اور بت پرستوں کا مسلسل رویہ اس کی تائید کرتا ہے! یہی لوگ ہیں جو آج بھی اس پیغام حق کے سخت ترین دشمن ہیں اور ہر سطح پر اس ازلی عداوت کا مسلسل عملی مظاہرہ بھی کر رہے ہیں۔

اسلام کے پیغام اخوت و مساوات کا وسیع تر دائرہ تو انسانی اخوت اور مساوات ہے! گویا تمام انسان آدم کے فرزند ہیں، سب احسن تقویم یا بہترین سانچے میں ڈھلے اور سب کے سب یکساں احترام اور عزت کے بھی حق دار ہیں (۱۰) لیکن اس اخوت و مساوات کا دوسرا دائرہ اہل اسلام و ایمان کا دائرہ ہے، مسلمانوں نے اخوت و مساوات کے ان دونوں دائروں کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے، سچے مسلمان نے کبھی بھی نسلی تفوق اور برتری یا رنگ و نسل کی تفریق کو روا نہیں رکھا۔ اسلام کے ایک فرزند جلیل بلبل شیراز حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا اور کیا خوب اسلام کی نمائندگی کی ہے (۱۱) کہ:

بنی آدم اعضائے یک دیگرند — کہ در آفرینش زیک جوہرند
چو عضوے بہ درد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی!

مطلب یہ ہے کہ اولاد آدم پیدائشی طور پر ایک ہی اصل سے ہیں اور آپس میں ایسے ہی ہیں جیسے ایک ہی جسم کے بہت سے حصے ہوتے ہیں، جب کسی بھی حصہ کو زمانہ دکھ دیتا ہے تو دوسرے حصوں کو بھی قرار نہیں آتا! تو، جو دوسروں کی مصیبت پر غمگین نہیں ہوتا تو پھر تجھے تو

Marfat.com

آدمی کہنا بھی مناسب نہیں!

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے دارِارقم میں ہجرت سے پہلے بھی اہلِ اسلام میں مواخات یا بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمایا تھا جسے مواخات مکہ کہتے ہیں، ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار میں بھی بھائی چارہ قائم فرمایا تھا جسے مواخات مدینہ کے نام سے سب دنیا جانتی ہے(۱۲)، یہی اخوت اور مساوات ہر جگہ اور ہر زمانے میں اسلامی معاشرہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے! آج بھی انسانی ہمدردی اور اسلامی دردمندی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے! سچا مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے دلی ہمدردی رکھتا ہے لیکن دنیا بھر کے انسانوں سے بھی ہمدردی کیے بغیر نہیں رہ سکتا، ہالینڈ کا ایک مستشرق (J.S) جے ایس اسلامی اخوت کے متعلق اپنے تاثرات بتاتا ہے(۱۳):

"The fellow-feelings of the Muslims from Morrocco to China, what-ever their race or colour or creed, is the object lesson for the mankind, for the possibility of a universal brotherhood and equality."

اس سلسلے میں کتاب وسنت کے احکام اور مسلمانوں کا عمل اپنی جگہ لیکن انسانی برابری اور اسلامی اخوت کا جو سبق نبی ﷺ کی اپنی عملی زندگی سے میسر آتا ہے وہ دل افروز و روح پرور مثالوں اور عملی نمونوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جو ہمارے سامنے ہے، اس روشن مثال اور عملی نمونے کا تو جواب ہی نہیں! اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے، اپنے غلام زادے کو اپنا بیٹا بنالیا تھا یہی نہیں بلکہ اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اسی غلام زادے زید بن حارثہ کے نکاح میں دے دیا تھا پھر اسی زید کے بیٹے حضرت اسامہ کو ایک ایسے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنادیا جس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ صحابہ عام سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے، مسلمانوں نے اپنے نبیؐ کی اس سنت کو قائم رکھتے ہوئے غلاموں کو اپنا قائد اور امام بھی بنایا بلکہ انہیں اپنے

Marfat.com

بادشاہ بھی بنایا، سلطنتِ دہلی کا خاندان غلاماں اور مصر کے ممالیک بادشاہ یعنی غلام بادشاہ اسلام کی شاندار تاریخ کے سنہری ابواب ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی اور خلیفہ وقت بلال حبشی کو سیدی یلال (بلال میرے آقا) اور سلمان فارسی کو ''اخی سلمان!'' (میرے بھائی سلمان) رضی اللہ عنہم اجمعین کہہ کر بلاتے تھے!۔

غارِ حرا سے چلنے والے اس کاروانِ حق کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ اس نے سیاست اور حکومت کو بھی جمہور مسلمانوں کی بیعت اور مشاورت کا محتاج بنا دیا، ''امرھم شوری بینھم'' (مسلمانوں کے معاملات تو باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں) (۱۴) یہ مکی دور کو ظاہر کرتا ہے، مگر ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' (عام جمہور مسلمانوں سے حکومت کے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے (۱۵)) یہ مدنی دور کا فرمان خداوندی ہے، غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کم سے کم سات بار اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا! حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما، دونوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر لوگوں کے مشورے قبول کرنے والا ہم نے کوئی اور نہیں دیکھا اسی لئے تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے اس جمہوری شورائی نظام سیاست کی بنیاد اور امتیازی بلکہ بے مثال خوبی یوں بیان فرمائی ہے (۱۶) کہ:

> ''تو پھر میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایک دوسرے کی بات کو بڑے غور سے سنتے ہیں، پھر مشاورت کے بعد جو بہترین بات ابھر کر سامنے آتی ہے، پیروی صرف اسی کی کرتے ہیں، یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت دکھا دی ہے اور یہی تو وہ لوگ ہیں جو پختہ عقلوں کے مالک ہیں!''

تو یہ ہے اسلام کے شورائی جمہوری نظام کا ایک منظر اور امتیازی خوبی کہ اس میں مخالفت برائے مخالفت کے بجائے جو بہترین رائے سامنے آتی ہے عمل اسی پر ہوتا ہے، یہ رائے خواہ کسی کی بھی ہو، کیونکہ یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بات کس نے کہی ہے بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بات ہے کیسی؟ اور یہ ہے وہ نظام زندگی جو غار حرا سے روانہ ہونے والے کاروانِ حق نے انسانیت کو دیا اور

Marfat.com

جس میں انسانیت کی سراسر بہتری ہے۔

مگر ہوا یہ کہ اسلام دشمن داخلی اور خارجی عوامل نے اس نظام کو نہ چلنے دیا اور اس کاروانِ حق کو راہ راست سے ہٹانے اور اس کا راستہ روکنے کی کوششیں چودہ صدیوں سے جاری ہیں، انہی عوامل نے وصال نبوی کے بعد جزیرۂ عرب میں فساد اور بدامنی پھیلانے کی خفیہ و علانیہ سازشیں کیں، چار خلفائے راشدین میں سے تین کی شہادت کے ذمہ دار بھی یہی عوامل و عناصر تھے! خلافت راشدہ کی جگہ یزیدیت کے لئے راہ ہموار کرنے والے بھی یہی عناصر و عوامل تھے! روم و ایران کو اسلام کے خلاف اکسانے والے اور پھر حروب صلیبی کا چکر چلانے والے بھی یہی لوگ تھے اور آج بھی عالم اسلام کے خلاف برسر پیکار یہی عوامل و عناصر ہیں۔

یزیدیت پر اہل بیت رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمٰی نے ضرب کاری لگائی اور باطل قوتوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا! کیا خوب فرمایا مولانا جوہر نے:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور بقول کسے:

اب کوئی کسی سے بیعت طلب نہیں کرتا
کہ اہلِ تخت کے ذہنوں میں ڈر حسینؓ کا ہے

یزیدیت کے تاریک سائے جب اسلام کے شورائی جمہوری نظام پر چھا گئے اور خلافت ملوکیت میں ڈھل گئی تو اسلام کی معاشرتی اقدار بھی جاہلیت کی لپیٹ میں آ گئیں، کردار سازی اور تعمیر سیرت کا کام یا دوسرے لفظوں میں دعائے خلیل اللہ علیہ السلام میں موجود نصاب تربیت پر عمل تو قطعی طور پر ہی معدوم ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ عرب قومیت اور دور جاہلیت کی مذموم رسوم اور روایات پھر سے انسانیت کو اپنے نرغے میں لے لیں مگر ایک طرف اہلِ بیت نے یزیدیت کو ٹھکرا کر اسلام کی جمہوری شورائی روایات کا علم بلند کر دیا جس میں

Marfat.com

حضرت امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے علمائے حق نے بھی اہل بیت کی تائید و حمایت کی اور فقہ و قانون اسلامی کی تدوین کے لئے بھی جمہور فقہائے امت کو جمع کر کے دینی مسائل میں جرأت مندانہ اور آزادانہ بحث و تحیص کے لئے فضا مہیا کی تو دوسری طرف اہل حق کی ایک جماعت نے اسلامی اخوت و مساوات کا علم بلند کرنے کے ساتھ ساتھ انسان سازی اور تعمیر کردار کا وہ منصب بھی سنبھال لیا جس کا ذکر دعائے خلیل اللہ علیہ السلام میں ہے، اہلِ حق کی اسی جماعت کو اہلِ تصوف و اربابِ طریقت کا نام دیا گیا، دراصل اس جماعت اہل حق نے سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا لیا، مجاہدہ نفس سے اصلاح ذات کے بعد سیرت سازی و تربیت و تزکیہ کا وہی کام سنبھال لیا جو مکی عہد میں غارِ حرا میں، دارارقم میں اور پھر ہجرت کے بعد صفہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیتے رہے تھے، رہے مسلمان حکمران تو وہ کہنے کو تو خلفاء اور امیر المؤمنین کہلاتے تھے مگر عملاً وہ روم و ایران کے شہنشاہوں سے ہرگز مختلف نہ تھے، مشاورت اور جمہور المسلمین کی آزادانہ رائے یا حکام کا محاسبہ ممنوع اور حرام کے درجے میں آ گیا تھا، برابری و مساوات یا اسلامی اخوت و برادری بھی قصہ ماضی بن گئی تھی! تبلیغ اسلام یا اصلاح معاشرہ کے بجائے حکمرانوں کا کام صرف مالیہ و خراج وصول کرنا یا مالِ غنیمت سمیٹنا رہ گیا تھا (۱۷)، ایسے میں صوفیائے کرام کی یہ جماعت اہلِ حق اسلامی اقدار کے تحفظ و بقا کے لئے آگے آئی اور کتاب و سنت پر عمل کرتے ہوئے اسلام کے سفیر اور مبلغ بن کر میدان میں آ گئے اور اس وقت تک یہ کار نبوی انجام پاتا رہا جب تک تصوف یا طریقت بھی اسی طرح ''موروثی ٹھیکہ'' نہ بن گئی جس طرح اس سے پہلے خلافت ملوکیت میں ڈھل گئی تھی!

پروفیسر شیخ عبدالرشید سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی نے مشہور برطانوی مستشرق ایچ اے آر گب کے حوالے سے مسلمان صوفیوں کی خدمات اسلام کے متعلق جو رائے قائم کی ہے اس سے نہ صرف یہ کہ اتفاق کیے بغیر کوئی چارہ نہیں بلکہ یہ رائے اس مقدس جماعت کی خدمت اسلام کی ایک معمولی سی تعریف و تحسین ہے، وہ لکھتے ہیں (۱۸):

Marfat.com

''پروفیسر ایچ اے آر گب نے لکھا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی سے مختلف ممالک میں ملت اسلامیہ میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں صوفی مشائخ اور ان کے سلسلوں کی کارگزاریوں اور اثرات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، یہ تصوف کی تحریک ہی تھی جس نے اسلام کی روح کو پائندہ تر بنایا، جب تک تصوف کے اسباب ونتائج کا غائر نگاہ سے مطالعہ نہ کیا جائے اسلام کی جامع ومکمل تاریخ کا لکھنا ممکن ہی نہیں! ہندوستان (برصغیر) میں اسلام کی تاریخ تحریر کرتے ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی اہم ہو جاتی ہے۔''

یہ رائے ایک صداقت تو ہے مگر یہ پوری اور منصفانہ حقیقت بیانی نہیں ہے! درحقیقت اہل بیت کی قربانیوں اور صوفیائے کرام کی کوششوں کا دائرہ اور اثرات وخدمات اس سے بھی کہیں زیادہ زوردار اور وسیع ہیں، برصغیر کے اولین چشتی بزرگوں کا طریقہ عمل اور کارنامے تو اس ضمن میں معروضی سبق اور ہمارے لئے روشن مثالیں ہیں، خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمہم اللہ تک کے بزرگوں کا اسلام کی معاشرتی، روحانی حتیٰ کہ سیاسی وحکومتی اقتدار کے تحفظ اور نفاذ میں عملی کردار قابل فخر اور قابل ستائش ہونے کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزا بھی رہا ہے! ان بزرگوں نے اپنے سلسلے کی جانشینی کے ضمن میں موروثیت کی لعنت کو یکسر مسترد کر کے اسلامی دنیا میں موروثی ملوکیت پر بھی بہت بڑا طنز کیا ہے! خلافت یا گدی نشینی کو موروثی بنانے کے بجائے سراسر اہلیت وصلاحیت اور لوگوں کی اکثریت کی تائید کو معیار اور معمول بنایا گیا! حضرت نظام الدین اولیاء کا بابا فرید سے یا بابا فرید کا خواجہ بختیار کاکی سے یا ان کا خواجہ معین الدین چشتی سے کوئی خونی رشتہ نہ تھا بلکہ صرف اور صرف روحانی تعلق تھا! ان چشتی بزرگوں نے اسلام کی تمام اقدار کا تحفظ فرمایا بلکہ ان کو عملی طور پر نافذ بھی کیا! برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اس میں بڑا سبق اور پیغام ہے! یہ سبق اور یہ پیغام ہمارے لئے آج بھی زندہ ہے اور ایک کھلی دعوت ہے! یہاں کے مسلم حکمرانوں نے تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے عملی طور پر کچھ بھی نہیں کیا بلکہ بعض نے تو نادانی اور عناد کا مظاہرہ

Marfat.com

کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے یہ حکمران اپنی کرسیاں پکی کرنے کے لئے صوفیاء کرام سے کام تو لیتے رہے مگر ان کی مدد یا سرپرستی کبھی نہیں کی، بلکہ ہمیشہ مکار برہمن کی دھاندلی اور سازشوں کا شکار رہے (۱۹) ! مگر یہ صرف برصغیر کی بات نہیں بلکہ اسلامی دنیا کے دیگر خطوں میں بھی مسلم حکمرانوں کے بجائے مسلم صوفیاء ہی اسلام اور مسلمانوں کی صحیح اور حقیقی خدمت انجام دیتے رہے ہیں!

لیکن برصغیر میں شجرہ اسلام کا بیج بونے اور اسے پروان چڑھانے کا اولین قدم تو سلسلہ جنیدیہ کے ایک مخلص، جرأت مند اور نامور فرزند سید ہجویر، مرشدِ لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کے حسن نظر کے تربیت یافتہ تھے جس کے ذکر خیر کے لئے یہ مختصر سی کتاب لکھی گئی ہے، وہی جو کبھی دمشق میں، کبھی بیت المقدس میں اور کبھی کوہِ لُکام کی گھاٹیوں میں گوشہ گیر رہے قدیم شام کا وہی کوہ لکام جو تصوف کی دنیا کے ابدالوں اور اوتادوں کا ماوی و ملجا اور گوشۂ عافیت رہا ہے یہیں پر حضرت داتا کے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل محمد الختلی الشامی بھی رہے، وہی جو زاویہ گیری اور گمنامی کو ترجیح دیتے تھے مگر سید ہجویر کو خدا کے رنگ میں رنگ کر اور علم و معرفت کی دنیا میں پہنچا کر اتنا عظیم الشان کام کر گئے جو ان کی شہرتِ عام اور بقائے دوام کے لئے کافی ہے، سید میر حسن ہمیں اقبال دے کر بقائے دوام پا گئے اور حضرت اابوالفضل ختلی نے ہمیں مرشد لاہور تیار کر کے دیا ہے تو پھر ہم ان کی شہرت عام اور بقائے دوام کے علمبردار کیوں نہ بنیں؟ کیونکہ یہ انہیں کی نظر کرم تھی جس نے ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی کو سید ہجویر، مرشد لاہور اور کشف المحجوب کا عظیم مصنف بنا دیا! یہ مختصر سی کاوش اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کی نذر رہے!۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

ظہور احمد اظہر

پروفیسر ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی

Marfat.com

ختل سے بیت الجن تک

سید ہجویر و مرشدِ لاہور، علیہ الرحمۃ، کے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی و جغرافیائی پس منظر سے آ گاہی ہماری اولین اور اہم علمی ضرورت ہے، یہ ایک بنیاد ہوگی جس پر ان کی شخصیت اور زندگی کی کہانی استوار ہوگی، ان کا اصلی وطن اور آبائی مسکن تو شہر خُتَل تھا جو آج کے سنٹرل ایشیا اور قدیم (۱) زمانے کے خراسان یا بلاد ماوراء النہر کا ایک غیر معروف مگر تاریخی شہر تھا لیکن ان کی اپنی مستقل پناہ گاہ اور ماوی وملجا کوہِ لکام قرار پا گیا تھا ایک پہاڑ جسے لوگ ''ابدالوں اور اوتادوں کا مسکن'' کہتے تھے (۲) اور جو طویل سلسلۂ کوہستانِ لبنان کا ایک حصہ ہے، پرانے وقتوں میں تو یہ کوہِ لکام عظیم (۳) تر شام کا پہاڑ سمجھا جاتا تھا مگر سامراجیوں کی ''مہربانیوں'' سے آج کل یہ ''ملک لبنان'' کا پہاڑ شمار ہوتا ہے، اسی کوہِ لکام کے قرب و جوار اور نشیب وفراز میں واقع ایک غیر معروف پہاڑی بستی بیت الجن حضرت ختلی علیہ الرحمۃ، کی جائے عافیت، وفات اور مدفن (۴) بھی ہے۔

لیکن خُتَل اور بیت الجن کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے اور بہت لمبی اور بوجھل مسافتیں حائل ہیں، اس لئے انسانی عقل کا یہ قدرتی سوال ہے کہ ان دونوں مقامات کے درمیان جو پُرخطر راہیں ہیں یا طویل فاصلے حائل ہیں انہیں کیسے عبور کیا گیا ہوگا؟ ایک تو اس زمانے میں وسائلِ سفر بالکل صفر تھے، دوسرے اس قسم کے سفر اگر پیدل طے ہوتے بھی تھے تو وہ تجارتی قافلوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ سالوں بعد نہیں تو کم سے کم مہینوں بعد ہی لوگ پیدل چل کر منزلوں پر پہنچتے تھے مگر اللہ کے جس نیک بندے کی، ہم بات کر رہے ہیں، ان کے اسفار بالکل مختلف نوعیت کے تھے! ان کے لئے قوت محرکہ تجارتی منافع یا دنیاوی مالی فوائد

Marfat.com

نہ تھے، بلکہ یہ تو ایک جذبہ تھا، ایک شوق تھا اور ایک اعلیٰ مقصد تھا جو شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی شامی، رحمۃ اللہ علیہ کو بلاد ختلان سے کشاں کشاں بلادِ شام بلکہ بلادِ عرب میں لے گیا تھا، اگر آپ نے اس مختصر سی کتاب کا مختصر سا مقدمہ ملاحظہ فرمالیا ہے تو پھر وہ جذبہ، وہ شوق اور وہ اعلیٰ مقصد بھی آپ کے لئے واضح ہو چکا ہوگا، وہی جذبہ وہی شوق جو ایک درویش خدامست کو ختّل کے دور افتادہ شہر سے ایک طالب علم، ایک صوفی صافی اور اسلام کے سفیر کی حیثیت سے پہلے علمی وثقافتی مراکز میں لے گیا تھا اور پھر وہ اسلامی دنیا کے بلادِ عرب وعجم میں بھی اسلام کے سفیر اور مبلغ بن کر اور غار حرا، دار ارقم اور صفۂ مسجد نبوی والے کاروانِ حق کا ایک نمائندہ بن کر اہل تصوف یعنی اہل حق کے قافلوں کے ساتھ رواں دواں رہے تھے یا کبھی اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے ذکر وفکر کی مجالسِ تربیت وتزکیہ سجاتے رہے تھے مگر وہ اکثر وقت گوشۂ تنہائی میں اپنے رب کی یاد میں انہماک کی صورت میں گزارتے (۵) رہے تھے!

یہاں پر ایک اور سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے اور شاید اہمیت وافادیت کے لحاظ سے یہ پہلے سوال سے بھی زیادہ مناسب اور اہم لگے اور وہ یہ ہے کہ آپ جس کاروانِ حق کی بات کر رہے ہیں وہ تو عقیدہ توحید اور وحدت نسل انسانی کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کا بھی علمبردار تھا تو پھر یہ تاریخی وجغرافیائی پس منظر کی جستجو اس کاروانِ حق کے مقاصد کے خلاف تو نہیں ہے؟ یہ سوال بہت افادیت واہمیت کا حامل ہے اور ہماری فوری اور پوری توجہ اور مدلل جواب کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس سوال کا جواب جہاں احترام آدمیت کا آئینہ دار ہوگا وہاں اسلام کے فکری اعتدال وتوازن کا بھی ثبوت ہوگا!

انسان بلاشبہ ایک ذی روح اور جاندار ہستی ہے اور اس لحاظ سے حیوانات کے زمرے میں آتا ہے یعنی زندہ مخلوق کے زمرے میں شامل ہے مگر یہ سب مخلوق سے برتر اور افضل ہے، اسی لئے تو یونانی فلاسفہ نے اسے ''حیوانِ ناطق'' (بولنے والا جانور) کہا ہے مگر یہ حیوان ناطق ہونے کے ساتھ ساتھ حیوان عاقل اور حیوان حساس بھی ہے، اسی لئے انسان

Marfat.com

اپنے ہر عمل کا ذمہ دار اور جواب دہ بھی ہے، قرآن کریم کی رو سے یہ افضل واشرف المخلوقات بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے قابل فخر اور بہترین سانچے میں ڈھالا ہے اور عزت وتکریم کا مستحق ٹھہرایا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاکیزہ نسب وصہر والا یعنی ددھیال اور ننھیال والا بنایا ہے (۶)۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہر فرزند آدم اپنی پہچان کے لیے، اپنے جغرافیہ اور تاریخ کا پابند ہے اور یہاں پر لفظ ''پابند'' اپنے خالص لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی وہ جو جکڑا ہوا ہے، جس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں، اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ انسان نہ تو اپنے ''جغرافیہ'' سے بھاگ سکتا ہے نہ اپنی ''تاریخ'' سے، یہاں یا وہاں اس دنیا میں اور نہ اس جہان میں چھٹکارا پا سکتا ہے، وہ اپنے اعمال کے لئے جوابدہ اور حساب دینے کا پابند بھی ہے، اسی لئے تو کتاب زندہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہوا ہے (۷):

''کُلُّ امرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَھِینٌ.''

''یعنی ہر فرزند آدم اپنے کئے کا مرہون یا پابند اور جواب دہ ہے۔''

گویا ہر فرزند آدم اس روئے زمین پر قدم رکھنے اور قدم اٹھانے کے بعد اپنے جغرافیہ اور تاریخ دونوں کا قیدی اور پابند بن جاتا ہے چنانچہ جب تک ہم کسی فردِ بشر کے جغرافیہ اور تاریخ سے آگاہ نہ ہوں اس وقت تک اس کی پہچان بھی نہیں کروا سکتے، اسی لئے تو اللہ رب العزت نے اس معاشرتی جان پہچان کے لئے انسانی جغرافیہ و تاریخ کے پس منظر کی اتنی مقدار کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ لازم اور مفید کے زمرے میں رکھا ہے (۸):

''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط''

''یعنی اے لوگو! سنو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور جان پہچان کے لئے تمہیں اقوام وقبائل کی شکل دے دی ہے مگر یہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا

Marfat.com

تو صرف وہی ہے جو سب سے زیادہ ''متقی'' ہو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کامل و کامیاب ہو۔''

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انسان کا اپنی اصل و نسل کو یاد رکھنا، اپنے حسب ونسب کا تحفظ کرنا اور اپنے وطنِ اصلی سے لگاؤں رکھنا یا اپنے آبائی مسکن کا بچاؤ کرنا کوئی عیب یا قباحت کی بات نہیں ہے، بلکہ اپنی نسل کو پاکیزہ و سلامت رکھنا بھی ایک کار خیر ہے اور یہیں سے کفائت (کفو یا ہمسر و ہم پلہ ہونا) کے فقہی جواز کا بھی ثبوت ملتا ہے اور یہیں سے کسی فرد بشر یا فرزند آدم کے تاریخی و جغرافیائی پس منظر سے بحث کرنے کا جواز بھی سامنے آتا ہے اس لئے حضرت ابوالفضل محمد الختلی الشامی، رحمۃ اللہ علیہ، کے جغرافیائی و تاریخی پس منظر یا دوسرے لفظوں میں ان کے مولد و منشاء اور مدفن کی تلاش کرنے میں ہم حق بجانب ہیں!

انسان کا جغرافیہ اس کی ولادت اور پیدائش کی جگہ سے شروع ہوتا ہے اور پھر اس کے آخری نشان یعنی قبر میں دفن ہونے کے مقام تک جاتا ہے، اسی طرح ہر انسان کی تاریخ بھی اس کی پہلی سانس لینے یا دنیا میں زمین پر پہلا قدم رکھنے سے شروع ہوتی ہے اور لمحہ آخرین یا دمِ واپسیں تک جاری رہتی ہے لیکن عجیب بات بلکہ قابل عبرت بات یہ ہے کہ خود انسانِ ضعیف البنیان کو اپنے جغرافیہ کے، پہلے اور آخری سرے کا صحیح علم ہوتا ہے نہ اسے اپنی تاریخ کے نقطہ آغاز اور لمحۂ انجام کا پتہ ہوتا ہے! یہ جہانِ دنیا جس میں ہم انسان رہ رہے ہیں (بلکہ اس مادر گیتی کے ہم تو فرزند ہی ہیں) اس دنیا کے آغاز و انجام کا بھی تو اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہیں ہے، اسی لئے تو فارسی کا ایک شاعر اس جہان دنیا کو ایک ایسی پرانی کتاب قرار دیتا ہے جس کا پہلا اور آخری ورق گم ہے!!

مازِ آغاز و از انجامِ جہاں بے خبریم
کہ اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتاد است

اسی طرح اس مادر گیتی کے فرزند بھی خود اپنے جغرافیہ و تاریخ کے آغاز و انجام یا

Marfat.com

زندگی کے پہلے اور آخری ورق سے بے خبر ہی ہوتے ہیں، یہ سب کچھ دوسروں نے یاد رکھنا اور بتانا ہوتا ہے، یاد رکھنا انسانی حافظہ کا کام ہے جب کہ بتانا زبان کا کام ہے لیکن حافظہ اکثر ساتھ نہیں دیتا بھلا دیتا ہے، اسی طرح زبان بھی ہمیشہ سچ نہیں بولتی، غلطی کر جاتی ہے یا جھوٹ بول دیتی ہے، اسی لئے انسان کے جغرافیہ اور تاریخ کا آغاز وانجام دونوں ہی یقینی نہیں ہوتے بلکہ مشکوک ہوتے ہیں، تو مشکوک چیز پر اترانا بے معنی اور لغو بات ہے! البتہ اپنے وطن اصلی اور آبائی مسکن سے لگاؤ اور اس کا احترام دل میں رکھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے کیونکہ وطن پہلا ہو یا وطن ثانی، زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے اس کے احترام اور محبت کی صدا بلند ہو چکی ہے کہ:

"حُبُّ الوطنِ مِنَ الْاِیمَانِ"

"یعنی وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔"

اور ہجرت کرتے وقت نگاہِ پاک جب مکہ مکرمہ کے در و دیوار پر پڑی تھی تو حسرت بھری آواز میں فرمایا گیا تھا کہ "اے شہر مکہ! تو جانتا ہے کہ تو میری نظر میں کتنا محترم اور محبوب ہے مگر تیرے باسیوں نے مجھے ہجرت پر مجبور کر دیا ہے!" تو حب وطن اور احترام مسکن تو جائز ہوا مگر سرزمین وطن کی عبادت یا اس کی پوجا ہرگز روا نہیں ہے، اس لئے اگر ہم آج "شیخ ابو الفضل شامی (۹)" رحمۃ اللہ علیہ، اور اپنے مرشد لاہور وسید ہجویر، علیہ الرحمۃ کے پیر و مرشد کے جغرافیائی و تاریخی احوال و پس منظر کو جاننے کی بات کرتے ہیں اور ختل سے بیت الجن تک ان کے قدموں کے آثار معلوم کرنے میں کوشاں ہیں تو یہ بالکل جائز بلکہ مستحسن ہے!

پرانے لوگوں یا قوموں، قدیم شہروں اور گزرے زمانوں کے متعلق آج کچھ جاننا چاہیں تو اس کے لئے ہمیں عرب مصادر و منابع (۱۰) سے رجوع کرنا پڑتا ہے کیونکہ "سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یعنی زمین میں چلو پھرو اور دیکھو" کا قرآنی حکم بھی ہے اور سیاحت کو زبان مصطفیٰ ﷺ نے بھی جہاد کے مترادف قرار دیا ہے (۱۱)، چنانچہ قرون اولی کے مسلمانوں نے عبرت پکڑنے اور تخلیق ربانی کے کرشمے دیکھنے کے لیے، روئے زمین کا چپہ چپہ چھان مارا اور

Marfat.com

تازہ و معتبر معلومات کے ذخائر جغرافیہ، سیاحت اور تاریخ کی کتابوں کی شکل میں جمع کر دیئے ہیں! چنانچہ مشہور مؤرخ و جغرافیہ دان الیعقوبی متوفی ۲۸۴ھ کا بیان (۱۲) ہے کہ ختل دراصل قدیم خراسان کا ایک شہر ہے جہاں سے بخارا جانے کا راستہ گزرتا ہے اور یہ ماوراء النہر یا آمو دریا کے اس طرف واقع ہے (آمو دریا کو عرب دریائے جیحون بھی لکھتے ہیں) ختل اور وخش اس علاقے کے دو بڑے شہر یا قصبے تھے جو اپنے ساتھ ملحق آبادیوں کے مرکزی شہر بھی تھے مگر کبھی کبھی ختل اور وخش کے علاقوں کو ملا کر ایک وحدت بھی بنا دیتے تھے اور اسے ''بلادِ ختلان'' کا نام دیا جاتا تھا، یہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے، آب و ہوا بھی بہت خوشگوار ہوتی ہے، چارا بڑی وافر مقدار میں ملتا ہے اس لئے لوگ مویشی بڑی کثرت اور آسانی سے پالتے تھے جن میں سرفہرست ختلی گھوڑے ہیں، بلاد ختلان کے بادشاہ کو لوگ ''ختلان شاہ'' یا شاہِ ختلان کہتے تھے، بلادِ ختلان کا مرکزی شہر یا دارالحکومت بھی ختل ہی قرار پاتا ہے، شاہی محل اور سرداروں کے محل بھی یہیں ہوتے تھے (۱۳)!

پرانے وقتوں میں مویشی پالنا یہاں کا نہایت نفع بخش کاروبار ہوتا تھا۔ خصوصاً ختلی گھوڑے تو دنیا بھر میں مشہور و مقبول تھے حتیٰ کہ خراسان کے بعض عرب حاکم یا گورنر بھی اس کاروبار میں پڑ کر اپنے فرائض بھی پس پشت ڈال دیتے تھے، ایک عرب گورنر جس کا نام حارث تھا۔ گھوڑا پروری اور گھوڑا فروشی کے کاروبار میں اس قدر محو ہو گیا تھا کہ اپنے مداح شاعر المرادی پر توجہ دینا بھی بھول گیا تھا۔ اس لئے شاعر مدح کے بجائے حارث کی ہجو کہنے پر مجبور ہو گیا تھا (۱۴):

اَیُّهَا السَّائِلُ عَنِ الْحَارِثِ النَّزِ — لِ وَعَنْ اَهْلِ وُدِّهِ الْاَرْجَاسِ

عُدَّ مِنْ خُتَّلٍ فَخُتَّلُ اَرْضٌ — عُرِفَتْ بِالدَّوَابِ لَا بِالنَّاسِ

ترجمہ (۱): اے وہ شخص جو پست ذہن حارث کے بارے میں اور اس کے گندے دوستوں یا احباب کے بارے میں پوچھتا پھرتا ہے.........!

10 2 2 85

Marfat.com

(۲): وہ (حارث تواب) ختلی شمار ہونے لگا ہے اور ختل ایک ایسی سرزمین ہے جس کے باشندے انسان نہیں ہوتے بلکہ مویشی ہوتے ہیں!

الیعقوبی (۱۵) نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربوں نے بلاد ختلان (ختل اور وخش وغیرہ) کی فتوحات کے بعد جب ماوراء النہر کے دیگر شہر اور علاقے، جیسے مَرو اور بلخ وغیرہ فتح کیے تو وہ بھی ان کے ساتھ ملا دیئے گئے اور اس نئی انتظامی وحدت کو بلادِ طخارستان یا مملکتِ طخارستان کا نام دیا گیا۔ الیعقوبی کا یہ بھی کہنا ہے کہ بخارا و سمرقند کے علاوہ یہ مملکتِ طخارستان کے مذکورہ علاقے اور شہر بھی حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں دوبارہ فتح ہوئے تھے، فاتح اسلامی عساکر کی قیادت اور فتح کے بعد ان تمام علاقوں کی ولایت و امارت بھی حضرت سعید بن عثمان بن عفان، رضی اللہ عنہما، کے سپرد ہوئی تھی!

بلاد و امصار کے احوال و آثار پر عرب مصنفینِ کتب جغرافیہ و سیاحت کے تتبع میں فارسی زبان میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ایک ''حدود العالم'' بھی ہے جو مجہول المصنف ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ۳۷۲ھ میں لکھی گئی، اس کتاب میں ختلان کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بڑے بڑے بلند پہاڑوں، خوشحال آبادیوں، ہرے بھرے کھیتوں اور لاتعداد نعمتوں سے مالا مال خطہ ہے، وہ لکھتا ہے (۱۶):

"ومردمانِ ایں ناحیت مرد مانِ جنگی اند، واندر حدود وے از سوئے تبت مردمان اندوحشی، اندر بیابانہا، و اندر کوھھائے وے معدن سیم است و زر، و ازیں ناحیت اسپانِ نیک خیزد بسیار!"

''یعنی اس علاقے کے لوگ بڑے جنگجو ہیں، اس علاقے کے حدود میں تبت سے آنے والے وحشی لوگ بھی پائے جاتے ہیں اور یہاں کے جنگلات اور پہاڑوں میں ہوتے ہیں، یہاں پر چاندی اور سونے کی

Marfat.com

معدنیات بھی ہیں، اس علاقے میں اعلیٰ نسل کے گھوڑے بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔"

حدود العالم کے مصنف کے اس بیان کی، کہ یہاں چاندی اور سونے کی معادن ہیں، بعض عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے بھی تائید کی ہے مگر ان عربوں کا کہنا یہ ہے کہ یہاں پایا جانے والا سونا اور چاندی بلند پہاڑوں سے بہہ کر آنے والے پانیوں میں ذرات کی شکل میں آتے ہیں!

ہمارے عرب مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جن کی معلومات براہِ راست، تازہ اور اصلی ہیں، اس لئے یہ مستند و معتبر بھی ہیں اور قابل قدر بھی، یہ لوگ وہ ہیں جو دور دراز کے لمبے اسفار کی مشقتیں برداشت کر کے اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے نکلے اور قیمتی معلومات جمع کیں ہمیں ان کا احسان مند اور شکر گزار ہونا چاہیے، ان عرب مصنفین کی دوسری قسم وہ ہے جن کی معلومات سنی سنائی اور ثانوی درجے کی ہیں لیکن ایسے لوگوں میں یاقوت الحموی بھی شامل ہے، جو اصل میں تو ایک جلد ساز تھا، تجلید کے لئے تاریخ، جغرافیہ اور سیاحت کی کتابیں اس کے پاس بکثرت آتی تھیں مگر وہ غور سے ان کا مطالعہ کرتا اور معلومات جمع کر لیتا تھا، اس طرح اس نے بلاد و امصار کے متعلق اپنی کتاب معجم البلدان لکھی (اسی طرح اس نے ادباء، شعراء اور اہل علم کا ایک تذکرہ بھی مرتب کر لیا تھا جس کا نام معجم الادباء ہے!)۔ اسلامی اندلس (سپین) کا ایک عرب جغرافیہ نویس، ادیب اور نقاد ابو عبید البکری بھی اسی زمرے میں شامل ہے جو سپین سے تو نہیں نکلا تھا لیکن ختل کا ذکر اس نے بھی اپنی کتاب "مُعجَمُ مَا استَعجَمُ" میں کر ڈالا ہے مگر صرف اتنا لکھا ہے کہ "موضع فی خراسان" (خراسان میں ایک جگہ کا نام ہے!)۔

عرب جغرافیہ نویسوں اور تذکرہ نگاروں کے پہلے گروہ میں سے ایک امام سمعانی بھی ہیں جو خراسان و بلاد ختلان میں خود پہنچے اور لکھا کہ (۱۷):

Marfat.com

"الخُتلی: اِختَلَفَ مَشَائِخُنَا فِی هٰذِهِ النِّسبَةِ، بَعْضُهُمْ کَانَ یَقُوْلُ : هِیَ إِلٰی خَتَّلَانَ ، بِلَادٌ مُجْتَمِعَةٌ وَرَاءَ بَلْخَ، وَبَعْضُهُمْ یَقُوْلُ: هِیَ بِضَمِّ الْخَاءِ وَالتَّاءِ الْمَنْقُوْطَةِ بِاثْنَتَیْنِ، مُشَدَّدَةٍ، حَتّٰی رَأَیْتُ اَنَّ الْخُتَّلِیَّ بِضَمِّ الْخَاءِ وَالتَّاءِ المشدَّدةِ، قَرْیَةٌ عَلٰی طَرِیْقِ خُرَاسَانَ، اِذَا خَرَجْتَ مِنْ بَغْدَادَ بِنَوَاحِی الدَّسْکَرَةِ.

"یعنی ختلی کی نسبت بارے ہمارے اساتذہ میں اختلاف تھا،کوئی کہتا تھا کہ یہ ختلان کی طرف منسوب ہے جو بلخ کے اس طرف ایک متحدہ ملک ہے،بعض کا کہنا تھا کہ ختلی خاء اور تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور تاء مشدد ہے، یہاں تک کہ میں نے خود دیکھا کہ یہ ختلی ہے خاء پر پیش ہے اور تاء مشدد ہے،ختل خراسان کے رستہ میں ایک دیہات ہے جو بغداد سے نکلیں تو دسکرہ کے نواح میں آتا ہے۔"

یاقوت الحموی، ابن ماکولا، ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ نے بھی امام سمعانی سے ہی اخذ کیا ہے،موجودہ دور کا ایک لبنانی عیسائی عرب یہ لکھتا ہے کہ ختل ایک شہر ہے جو آج کل ترکستان میں شامل ہے (۱۸) مگر یہ درست نہیں ہے،ختل آج کل تاجکستان کا حصہ ہے جیسا کہ مشہور برطانوی مستشرق گب (Gib) نے ،تاجکستان کے ایک اور شہر کے ذکر کے ضمن میں لکھتے ہوئے صراحت کی ہے(۱۹) کہ :

قدیم شہر ختل کی جگہ ایک نئے شہر کو تاجکستان میں غیر ملکی سیاحوں کے لئے ایک مقبول اور پرکشش مقام حاصل ہے اور اس کے محل وقوع اور قدیم تاریخی پس منظر کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتا ہے(۲۰):

"Tourist Destinations in Tajikistan: is Kurgan Tyube. This city is another popular tourist destination in Tajikistan and is situated in the upper part of a valley,

Marfat.com

in the heart of a rich oasis. While some historical records point out that the city of Kurgan Tyube emerged in the seventh century, others show that it happened much later. The site at which this modern day city is located was known as Khuttal in the Middle Ages that used to be a huge territory between the Wakhsh and the Panj."

ماضی میں خصوصاً عربوں کی فتوحات اور عہد حکومت میں، اس خطہ کو جو امتیاز حاصل تھا یعنی ''ختلی گھوڑوں کا گھر'' اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے گب مزید بتاتا ہے کہ گردش ایام کے باعث پرانے شہر ختل کی جغرافیائی حدود کا تعین بھی اب مشکل ہو گیا ہے اور اس کی جگہ علاقے کے کچھ دوسرے شہروں نے، ازبکی حکمرانوں کے عہد میں، زیادہ اہمیت اختیار کر لی تھی، یہاں کے لوگوں نے کئی ایک مقامی دستکاریوں اور مصنوعات میں کمال حاصل کر لیا ہے(۲۱):

"According to ancient history of Khuttal, it was a part of Bactria and was well known for its "Heavenly Racers". It might surprise you to know that Khuttal horses were the basis of Alexander the Great's cavalry! Though in modern times it is difficult to demarcate the exact geographical borders of Khuttal, however it has been established that the city of Hulbuk was the capital of this area. Some popular sightseeing attractions in Kurgan Tyube are Hulbuk, Khodzha-Mashad and Ajina-Tepe. The city of Ura Tube once used to be the center of an independent state that was governed by Uzbek rulers. This Tajik city is best known for its talented masters-handicraftsmen, whose products such as

Marfat.com

fabrics, footwear, fretwork, decorated knives, utensils, embroidery are highly coveted in Central Asia.

پروفیسر گب کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ قرون وسطی کے جغرافیہ نویس یعنی عرب، پرانے شہر ختل کا صحیح جغرافیائی محل وقوع اور حدود اربعہ دینے میں ناکام رہے ہیں، تاہم یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اس علاقہ کا مرکزی شہر یا دارالحکومت شہر ''ھل بک'' بن گیا تھا جو نامعلوم اسباب کی بناء پر اب غائب بھی ہو چکا ہے (۲۳):

"No one from among the medieval geographers can give exact geographical borders of Khuttal. However, it is well known that the capital of the area was the city of Hulbuk which "disappeared" for some reasons after the 12th century."

پروفیسر گب کی یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ ''ھل بک'' کا شہر پرانے زمانے میں اس علاقے میں موجود تھا مگر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ ختل کی جگہ اس علاقہ کا مرکزی مقام، ختل کے بجائے، ھل بک بن گیا تھا مگر بارہویں صدی عیسوی کے بعد غائب بھی ہو گیا! ہم اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ عرب جغرافیہ نویس علم وفن کی اس بلندی پر نہ پہنچ پائے تھے کہ شہروں اور ملکوں کا حدود اربعہ جدید علمی اسالیب میں پیش کرتے مگر یہ کیا کم ہے کہ جب پورا کرۂ ارض جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس زمانے کے انسانوں، شہروں اور ملکوں بلکہ حیوانات ونباتات تک کے متعلق عرب اہل علم معلومات کے ایسے ذخائر جمع کر گئے جن سے آج مشرق ومغرب یکساں طور پر مستفید ہو رہے ہیں اور ان ذخائر معلومات میں سے عجیب سے عجیب تر باتیں بھی دریافت ہو رہی ہیں!

ہم یہاں پر قدیم وجدید مصادر اور منابع میں حضرت شیخ ابوالفضل ختلی شامی، رحمۃ اللہ علیہ، کی جنم بھومی یا وطنِ اصلی شہر ختل کے متعلق پائی جانے والی معلومات کی بنیاد پر اس کی

Marfat.com

ایک ناقص اور دھندلی سی تصویر ہی پیش کر سکے ہیں اور یہ لفظی تصویر مختصر ہی سہی مگر اس کے مفید اشارات میں یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ یہ تصویر کیوں ضروری تھی، اب ہم وہ خطوط و نقوش بھی واضح کرنا چاہتے ہیں جو بلادِ ختلان سے بیت الجن کو جانے والے رستوں کو ہمارے سامنے لاتے ہیں اور ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ شیخ ابو الفضل اور ان جیسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں ختلیوں (خَتَاتِلَه واحد خُتَّلی) بلکہ ہزاروں بلخیوں، مروزیوں، سمرقندیوں، بخاریوں اور صغانیوں کو بلاد سنٹرل ایشیا کے شہروں سے کشاں کشاں بلاد عرب خصوصاً بلاد عراق و شام اور سرزمین حجاز کس کس طرح لے گئے اور پھر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بیت الجن تک کیسے گئے جہاں سید ہجویر، رحمۃ اللہ علیہ، اور ان جیسے نا معلوم کتنے ہی تشنگان علم و عرفان اس مرشد کامل کے آستان پر بوسہ زن ہوتے رہے؟ تاہم یہ عرض کرتے چلیں کہ یوں تو ختل نے بھی سمرقند و بخارا کی طرح سینکڑوں علماء و محدثین عالمِ اسلام کی نذر کئے ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ ''ختلی'' کہلانے والے علماء اور محدثین کی ایک معقول تعداد اکتسابِ فیض کے لئے نکلتی رہی مگر ان میں سے کوئی امام صغانی لاہوری اور امام بخاری، رحمۃ اللہ علیہما، جیسی شہرت حاصل کر کے مسلم ذہنوں پر چھا نہ سکا، اس لئے اگر یہ شہر ختل ہمارے مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، کے پیر و مرشد کا مولد و منشا یا ان کا وطن اصلی اور آبائی مسکن نہ ہوتا تو شاید آج ہم اس ختل کے نام سے بھی واقف نہ ہو پاتے!

ایک دور افتادہ، پہاڑوں اور جنگلوں میں گھری ہوئی غیر معروف سی بستی ختل میں بود و باش رکھنے والی قوم کا ایک سعادت مند اور نامور فرزند ''محمد بن الحسن'' بغداد، دمشق اور بیت المقدس جیسے اسلام کے علمی و ثقافتی مراکز سے علوم و معارف سمیٹتے ہوئے کوہِ لُکام جیسے ماوی و ملجائے اوتاد و ابدال تک کیسے پہنچا؟ اس کے سامنے یہ طویل فاصلے اور یہ بوجھل مسافتیں کس طرح سکڑتی سمٹتی گئیں؟ اور پھر آخر کار وہ ''بیت الجن'' جیسی گمنام سی بستی میں سید ہجویر، مخدوم امم اور مرشد لاہور کی گود میں سر رکھ کر اپنی جان عزیز اپنے جاں آفریں کے سپرد کر کے اپنے اس شاگردِ رشید اور مریدِ فرید کو روحانیت کا آفتاب عالمتاب کیسے بنا گیا؟ ان سب معاملات

Marfat.com

کی کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہوئے ہم ان شاء اللہ، بیت الجن تک ضرور پہنچیں گے مگر اس سے بھی پہلے شاید یہ دیکھنا فائدے سے خالی نہ ہو کہ بلاد ختلان سمیت وسطی ایشیا، یا عرب اہل علم کی زبان میں۔ سرزمین خراسان اور بلاد ماوراء النہر میں اللہ تعالیٰ کا نور سرمدی اسلام کیسے چمکا اور یہ عظیم الشان خطہ جو آج قدرتی وسائل سے مالا مال ہے مسلم اکثریت کا وطن کیسے بنا؟

یا یوں کہہ لیجیے کہ ختل، بلخ، سمرقند اور بخارا سے اٹھنے والے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اسلامی تصوف اور علوم و معارف کے علمبردار کیونکر بن گئے؟ بلکہ بلاد عرب کے اہل علم نے وہاں ''ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است'' کے جذبۂ شوق و ایمان اور عزم کے ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کی شمعیں کیسے روشن کیں؟ بلاد عرب و عجم، افریقہ و اندلس (مسلم سپین) کو علوم و معارف اور تصوف و طریقت سے زمان و مکان کا مالک و حاکم بھی بنا دیا! یہی نہیں بلکہ مرشد لاہور سید ہجویر جیسے اولیاء اللہ نے دین توحید و وحدت نسل انسانی کا اپنے اپنے خطے میں بیج بویا اور پھر اسلام کے شجرۂ طیبہ کو پروان بھی چڑھایا اور اس کی مقدس شاخوں کو آسمان پر بھی پہنچا دیا؟ یہ سب باتیں وقت اور جگہ کی طالب ہیں اور شاخ در شاخ پھیلتی ابھرتی کہانیاں ہیں جن کا احاطہ کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں صرف اختصارات اور اشارات کی زبان ہی ایسے مواقع پر کام آیا کرتی ہے اور ہم بھی یہاں یہی زبان کام میں لانے کی حتی الوسع اور مقدور بھر کوشش کریں گے! وباللہ التوفیق وھو نعم المولیٰ ونعم الرفیق!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا اور آئندہ صفحات سے اور بھی واضح تر ہو جائے گا کہ ہجرت نبوی کی چوتھی اور پانچویں صدیاں جہاں غلبہ اسلام اور مسلمانوں کے رعب و جلال کی صدیاں ہیں وہاں یہ زمانہ دنیائے انسانیت کے سامنے اسلام کا سچا، سُچا، اصلی اور روشن چہرہ نمایاں سے نمایاں تر کرنے کے مقدس کام کا زمانہ بھی ہے! اسلام کا وہ اصلی سچا، سُچا، روشن چہرہ جو عہد نبوی، علی صاحبہا السلام، اور خلافتِ راشدہ کے عہد مبارک میں دنیا نے دیکھا تھا مگر مطلق العنان ملوکیت اور یزیدی شہنشاہیت کے منحوس بادلوں میں چھپ گیا تھا اور جسے زمانہ جاہلیت

Marfat.com

کی ظلمتوں نے پھر سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا! اسلامی اخوت و مساوات کے ساتھ ساتھ اسلام کے شورائی جمہوری نظام کو بھی اہل بیت کرام کی عظیم الشان قربانیوں نے امت کی آرزو اور مطمح نظر بنا دیا تھا! اب اس عہد مبارک میں پرعزم ارباب طریقت اور سچے، سچے صوفیوں نے اسلام کے اسی اصلی اور روشن چہرہ کو نمایاں کرنے اور مقبول عام بنانے کا بیڑہ اٹھا لیا تھا! اسلام دینِ حق کا وہی چہرہ جو ''اقرأ'' کے فرمانِ الٰہی کے نتیجہ میں کالی کملی والے مزمل و مدثر ﷺ کے جلو میں اہل مکہ اور دنیائے انسانیت کے سامنے جلوہ نما ہوا تھا اور جس کے خط و خال تیرہ سال تک مکہ مکرمہ کے دار ارقم میں پھر دس سال تک صفہ مسجد نبوی میں نگاہِ مصطفی ﷺ نے روشن کر دیئے تھے، مواخات مکہ اور پھر مواخات مدینہ سے ابھرنے والی چمک دمک نے دنیا بھر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اسلام کی یہی امتیازی شان اور روشن چہرہ تھا جو اموی و عباسی ملوکیت کو گوارا نہ ہو سکا تھا مگر ایک بار پھر ارباب تصوف و طریقت اولیاء اللہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا! یہی تو وہ سنتِ مصطفی ﷺ تھی جسے حضرت امام حسن بصری، امام ابو حنفیہ اور امام شافعی، رحمہم اللہ، جیسے ائمہ کرام نے زندہ رکھا اسی سنت نبوی، علی صاحبہا السلام، کو سید الطائفہ جنید بغدادی اور غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی، رحمۃ اللہ علیہما، اور ان جیسے بزرگوں کے پیروکاروں نے بعد میں اپنے اپنے وقت میں زندہ رکھا اور امت کو اس کے تحفظ و دفاع کی تلقین بھی کرتے رہے، لیکن ان بزرگوں کا اصل کام توحید اور وحدت نسل انسانی کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کو عملی طور پر زندہ رکھنا تھا، انہوں نے انسان سازی اور تعمیر کردار کو بھی علی منہاج النبوۃ جاری رکھا، مرشد لاہور اور ان کے پیر و مرشد حضرت ختلی شامی بھی انہی سلاسل کی مضبوط کڑیاں ہیں!

تاریخی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ختلی کے وطن اصلی بلاد خراسان میں حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی، رضی اللہ عنہما، کے مبارک عہد خلافت ہی میں اسلامی فتوحات اور مسلم فاتحین پہنچ گئے تھے (۲۴)۔ پھر ابتدائی اموی عہد میں حضرت حکم بن عمرو غفاری، رضی

Marfat.com

اللہ عنہ، کو خراسان اور بلاد ماوراء النہر کا گورنر بنایا گیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ مزید آگے بڑھنے لگا تو اموی والی عراق زیاد نے انہیں لکھا تھا کہ امیر المؤمنین (حضرت امیر معاویہؓ) چاہتے ہیں کہ فتوحات کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے سونا چاندی تمام کا تمام انہیں بھیج دیا جایا کرے اور باقی مالِ غنیمت شرعی احکام کے مطابق مجاہدین میں بانٹ دیا جایا کرے! مگر مومن صادق صحابی رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا اور زیاد کو جو جواب لکھا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، انہوں نے اپنے عبرت آموز جواب باصواب میں فرمایا تھا: (۲۵)

اِنِّیْ وَجدت کتابَ اللّٰہِ قبل کتاب امیر المؤمنین معاویة!
ولَوْ اَنَّ السماء وَالارض کانتا رتقاً علی عبد ثُمَّ اِتَّقی اللّٰہَ
لَجَعَلَ اللّٰہُ له منها مَخْرَجًا

''یعنی امیر المؤمنین معاویہ کے حکم سے پہلے ہی میرے پاس کتاب اللہ کا حکم موجود تھا! بخدا اگر بندہ مومن کو آسمان اور زمین مل کر جکڑ بھی لیں اور اسے تقویٰ اللہ نصیب ہو جائے تو اللہ رب العزت اپنے اس متقی بندے کے لئے کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکال دیں گے!''

تو یہ ہے وہ کردار اور وہ اخلاقی جرأت جو کاروانِ حق کے ان مسافروں سے مطلوب تھی جنہوں نے دارارقم اور صفۂ مسجد نبوی میں تربیت پائی تھی اور سایۂ مصطفیٰ ﷺ میں تیار ہو کر میدانِ عمل میں آئے تھے! یہی وہ کردار اور اخلاقی معیار تھا جو خلافت کے ملوکیت میں ڈھل جانے کے بعد یزیدیت کے منحوس سایہ میں دب کر رہ گیا تھا اور جسے جماعت اہل تصوف و طریقت نے پھر سے ازسرنو زندہ کر کے اپنا معمول بنا لیا تھا اور یہی ہے وہ دعوتِ حق کی روایت جسے عرب و عجم کے صوفیوں نے متحد ہو کر زندہ کر دیا تھا اور اسے اسلامی دنیا کے گوشے گوشے میں عام کرنے کے لئے نکل پڑے تھے!

Marfat.com

ہم نے تاریخی غلطی یہ کھائی ہے کہ مسلمانوں کی تمام فتوحات کو ''اسلامی فتوحات'' کا نام دے دیا ہے، حالانکہ فتوحات کی ایک قسم وہ ہے جو محض وسعت سلطنت یا کشور کشائی اور مال غنیمت کے لئے چودہ صدیوں پر محیط مدت سے جاری ہے، یہ مسلمانوں کی فتوحات تو تھیں مگر اسلام کی نہیں تھیں، حتیٰ کہ اموی خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز، رضی اللہ عنہ، (جنہیں امام شافعی، بجا طور پر، پانچواں خلیفہ راشد (۲۵) مانتے ہیں) کے عہد خلافت میں خراسان ہی کے ایک گورنر نے لکھا تھا کہ اس علاقے کے لوگ دھڑا دھڑ امسلمان ہو رہے ہیں اوراس طرح خراجی زمین عشری زمین میں تبدیل ہوتی جارہی ہے جس سے مالیہ کی مقدار بہت کم ہوگئی ہے لہٰذا یہ حکم جاری کیا جائے کہ اب نومسلموں کی خراجی زمین کبھی عشری زمین میں تبدیل نہیں ہوگی، ورنہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب خراسان کا مالیہ صفر رہ جائے گا! مگر پانچویں خلیفہ راشد عادل نے سرزنش کرتے ہوئے اس گورنر کو لکھا کہ شریف آدمی! لوگوں کو مشرف بہ اسلام ہونے دو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دعوت اسلام عام کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا خراج وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا (۲۶)!

فتوحات کی جو دوسری قسم اسلامی فتوحات کے ضمن میں آتی ہے ان میں محض دعوت اسلام اور شہادت حق مطلوب ہوتی تھی اور جو اہلِ ایمان کا جہاد ہوتا ہے، جس کے متعلق کیا خوب فرمایا شاعر مشرق نے (۲۷):

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اسلامی فتوحات کے ضمن میں دو باتیں بہت اہم، قابل توجہ واہتمام اور ہمیشہ ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، سب سے پہلی اور سرفہرست بات یہ ہے کہ حقیقی فتح دلوں اور ذہنوں کی فتح ہوتی ہے، رسول اعظم و آخر ﷺ کی بعثت وتبلیغ میں سرفہرست یہی دلوں اور ذہنوں کی فتح ہوتی تھی مگر دل اور ذہن فتح ہوتے ہیں حسن اخلاق اور حسن کردار سے، دل اور ذہن کبھی

Marfat.com

طاقت اور تشدد سے فتح نہیں ہو سکتے اور طاقت و تشدد کی فتح کبھی پائیدار اور دوررس بھی نہیں ہوتی، جب سے، اور جہاں جہاں بھی، مسلمانوں نے طاقت اور تشدد کی فتح کو سب کچھ سمجھا ہے وہاں اسلام کو حقیقی فتح حاصل نہیں ہو پائی، حقیقی اور پائیدار فتح ہمیشہ حسن اخلاق، حسن کردار اور حسن سلوک سے ہوتی ہے اسی لئے اہل علم و فضل صوفیہ صافیہ نے اسی سنت نبوی کو اپنایا اور کامیاب ہوئے، وہاں اسلام نے ایسی جڑ پکڑی ہے کہ قیامت تک اس شجرۂ طیبہ کی جڑوں کو کوئی خطرہ نہیں، خواہ یہ سنگدل و مکار برہمن ہی کا دیس کیوں نہ ہوا! آج بھی اسلامی فتوحات کا یہی نبوی طریق ہی کارآمد ہو سکتا ہے، جاہلانہ رعب و تشدد یا دہشت گردی سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اسلامی فتوحات کے ضمن میں دوسری اہم بات جو سمجھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے دشمن۔ یہود و مشرکین یا بت پرست۔ دو سمتوں میں اسلام کو بڑھنے سے ہمیشہ روکتے رہتے ہیں، ایک مغرب ہے جہاں ہم نے حقیقی فتح کا نبوی رستہ اپنانے کے بجائے ناپائیدار فتح کا طریقہ اپنایا تھا، صقلیہ اور اندلس میں مسلمان اموی عہد میں کشور کشائی اور مال غنیمت کے لئے گئے تھے مگر کوئی ہجویری اور کوئی چشتی وہاں نہیں گیا تھا (اگر کوئی گیا ہو تو اس کا نام مجھے بھی بتایا جائے!) اسلام وہاں اس لئے جڑ نہ پکڑ سکا کہ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو حقیقی اسلامی فتوحات سے مسخر کرنے والا کوئی حق پرست نہ گیا، عربوں اور بربروں کے اختلاف اور تصادم اس کے علاوہ تھے، نتیجہ یہ ہے کہ عرب اور بربر فاتحین کو بیک بنی و دو گوش وہاں سے بدر کر دیا گیا اور ایسا بدر کیا گیا کہ وہاں سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی دیس نکالا مل گیا! دنیا کی تاریخ میں یہ واحد مثال ہے کہ مسلمانوں کی حکمرانی ختم ہوئی تو وہاں اسلام بھی نہ رہا! صرف اس لئے کہ یہاں محض طاقت اور تشدد سے مسلمانوں کی فتوحات عمل میں آئی تھیں! دلوں اور ذہنوں کو فتح کرنے کے لئے فتوحات کا نبوی طریقہ، علی صاحبہا السلام، نہ اپنایا گیا، اس کے برعکس جنوبی اور وسطی ایشیا میں (بلکہ مشرق بعید میں) بھی مسلمانوں کی

Marfat.com

فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی فتوحات والے بھی گئے! چنانچہ اسلام لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو فتح کرنے میں بھی کامیاب رہا اور مکار اور سنگدل برہمن کی چالبازیوں اور کمیونسٹ الحاد کے بے پناہ وحشیانہ تشدد کے باوجود بھی وہاں اسلام باقی اور دائم ہے اور رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی ہے!

دوسری سمت مشرق کی سمت ہے اور یہ جنوبی اور وسطی ایشیا سے عبارت ہے، اسلام کے دشمن یہاں بدامنی پیدا کر کے اور آزادی سلب کر کے اسلام کو کمزور کرتے رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں، اس لئے میری یہ پختہ اور یقینی رائے ہے کہ برہمن جنوبی ایشیا میں اور دنیا کے ہوس پرست سامراجی لٹیرے وسطی ایشیا میں قیام امن اور آزادی کی بحالی میں رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں اور ڈالتے ہی رہیں گے، اسی لئے یہودی، برہمن اور عالمی ہوس پرستوں کا اتحاد ایشیا میں عدم استحکام اور امن و آزادی کی راہ میں حائل رہا ہے اور یہ حائل رہیں گے لیکن اسلامی فتوحات کا نبوی طریق اپنانے سے مسلمانوں کو کوئی نہیں روک سکے گا! وہی نبوی طریقہ جو سید ہجویر اور چشتی اجمیر، رضی اللہ عنہما اور ان کے گروہ صوفیہ کرام نے اپنایا! جنوبی اور وسطی ایشیا میں اسلام کی ایک تاریخ ہے، اس تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے اور اسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے! اسی سے ہم حضرت ختلی اور مرشد لاہور کے کردار اور خدمات کو بھی سمجھ سکیں گے اور ان کی پیروی کر کے کامیاب بھی ہوں گے ان شاء اللہ!

اگر بغور دیکھیں تو آپ مانیں گے کہ سنٹرل یا وسطی ایشیا کی اسلامی تاریخ ڈرامائی انداز لئے ہوئے ہے، کبھی آپ کو یہاں اموی عہد کی عرب قوم پرستی کے شاخسانے نظر آئیں گے، ربیعہ اور مضر کی قبائلی چپقلش اور سر پھٹول دکھائی دے گی، اور آپ کو پتہ چلے گا کہ ابو مسلم خراسانی اور اس کے کارندوں نے اموی خلافت کا تختہ الٹنے کی خفیہ تحریک کو بھی وہیں شروع کیا اور اسے پروان چڑھانے کے لئے بھی خراسان اور بلاد ماوراء النہر کو ہی منتخب کیا تھا، ہارون الرشید عباسی کے بیٹوں ...... امین اور مامون ...... کی جنگ اقتدار میں شریک ہو کر امین کو ہٹانے

Marfat.com

اور عباسی خلافت کو خالص ہاشمی عربی خلافت بننے کے بجائے اس میں اہل عجم کا بھی حق منوانے اور مامون کو برسر اقتدار لانے میں بھی خراسانیوں اور ایرانیوں کا کردار تھا پھر جب عباسی خلافت کے کمزور ہو کر ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کی طرح علاقائی اقتدار پسندوں کے ہاتھوں تباہ ہونے کا وقت قریب آیا تو بھی سنٹرل ایشیا میں سامانی، طاہری، صفاری وغیرہ سلطنتیں بھی اسی سنٹرل ایشیا کی سرزمین ہی میں قائم ہوئیں، لیکن اس خوش بخت سرزمین نے نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے عرب علماء، محدثین اور ارباب طریقت کو اپنی طرف کھینچا بلکہ یہاں کے اہل ایمان کے دلوں اور ذہنوں میں کتاب وسنت اور ان سے پیدا ہونے والے علوم نے گھر کر لیا تھا اور پھر یہاں قرآنی علوم، حدیث نبوی اور اس کے علوم، فقہ واصول فقہ اور علم الکلام کے ماہر ایسے علماء پیدا ہوئے جو صدیوں سے امت مسلمہ کے ہادی ورہنما چلے آتے ہیں مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خطۂ پاک نے صوفیاء کرام کے امام وقائدین بلکہ بانیانِ سلاسلِ طریقت پیدا کیے جنہوں نے پوری اسلامی دنیا کو منور کر دیا، نقشبندی اور چشتی سلسلوں کی مثالیں ثبوت کے لئے (۲۸) کافی ہیں۔ ترمذی، بلخی، مروزی، سمرقندی، بخاری، سرخسی اور صغانی وغیرہ سے منسوب علماء کی فہارس بڑی طویل ہیں، ختلی علماء یا ختاتلہ کی جماعت بھی اسی سنہری سلسلے کی ایک کڑی ہیں! یہی وہ سلسلے ہیں جنہوں نے فتوحاتِ اسلامی کے نبوی طریقہ۔ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام۔ کو اپنایا اور آگے بڑھایا برصغیر جنوبی ایشیا میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بھی وسطی ایشیا میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے! جس طرح برصغیر میں مسلمان لشکر کشوں اور فاتحین کی ہوس ملک گیری اور کشور کشائی والی فتوحات سنت نبوی، علی صاحبہا السلام، پر عمل پیرا ہونے والے اہل طریقت اور اولیاء اللہ کی اسلامی فتوحات سے قطعی مختلف رہی ہیں (کہ وہ صاحب تلوار تھے اور یہ صاحب کردار!) اسی طرح وسطی ایشیا میں بھی تلوار والوں اور کردار والوں کی فتوحات بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہی ہیں!

جنوبی اور وسطی ایشیا میں اموی فتوحات ملک گیری، کشور کشائی اور مال غنیمت جمع

Marfat.com

کرنے کے لئے تھیں، بعد میں عباسیوں، فاطمیوں اور پھر اندلس کے امویوں کی فتوحات کا بھی یہی انداز اور یہی حال رہا، ہندوستان پر چڑھائی کرنے اور فتوحات کے جھنڈے گاڑھنے والے مسلمان فاتحین اور حکمرانوں کے بھی یہی رنگ ڈھنگ رہے۔ عثمانی ترکوں نے اگرچہ صلیبی طوفان کو چار صدیوں تک روکے رکھا مگر ان کے عہد میں بھی اہل یورپ کے دلوں اور ذہنوں کو فتح کرنے والے کم ہی میسر آئے، دنیاوی فوائد سے انہوں نے اپنی جھولیاں بھریں اور بدنامیاں اسلام کے دامن میں ڈالتے رہے، یہی طریقہ اور یہی انداز تھا جس نے اسلام سے رغبت رکھنے والوں کے حوصلے پست کیے، بدگمانیاں پھیلائیں، قبول اسلام میں مفتوح لوگوں کی دل شکنی کی گئی اور وہ اسلام کے پیغام وحدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات سے بالکل نا آشنا ہی نہیں رہے بلکہ بیگانے بھی ہوتے چلے گئے چنانچہ الیعقوبی کے بیان کے مطابق خراسان و ماوراء النہر میں ''فتح'' کے بعد ''انغلاق'' ایک معمول بن گیا تھا، فتح کے معنی کھولنا اور انغلاق کے معنی بند ہونا ہے، گویا قلعوں اور شہروں کے دروازے کھلتے تھے اور پھر بند ہو جاتے تھے، اطاعت قبول کرنے کے بعد لوگ پھر بغاوت اور نافرمانی پر اتر آتے تھے، اس لئے کہ خالی آقا بدلنا یا خواہ مخواہ نئے سے نئے فاتحین کی عملداری میں آکر باجگذاری قبول کرنا کون گوارا کرتا ہے؟ کچھ ایسی ہی صورتِ حال آپ کو ہندوستان میں مسلم فتوحات میں بھی نظر آئے گی، اچھوت کو اسلام قبول کرنے کے باوجود بھی چوڑھا، مصلی اور کمین بن کر ہی رہنا پڑا، ہندو معاشرہ سے نکل کر ہندوستان کے مسلم معاشرہ کا حصہ بننے میں بھی اچھوتوں کے لئے کوئی کشش یا کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی، اس کمی کو پورا کرنے اور اس کی تسلی بخش تلافی کرنے کا کچھ کام صوفیاء کرام اور اہل طریقت نے کیا جو اسلام کے سفیر و مبلغ بن کر آئے، اسلامی اخوت و مساوات کی دعوت دی اور خود حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کے عملی نمونے پیش کیے تو حقیقت حال جاننے کے بعد نچلی ذاتوں کے ہندو چھوت چھات اور ذات پات کے برہمنی قید خانے اور طبقاتی کشمکش سے نجات پانے کے لئے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگتے تو مکار اور

Marfat.com

سنگدل برہمن فرقہ وارانہ آگ بھڑکا دیتا اور اس فساد کی جڑ مسلمان صوفیوں کو قرار دے دیتا جس پر کرسی پرست حکمران پریشان ہو جاتے اور صوفی اور ارباب طریقت اپنے ہی حکمرانوں کے معتوب ٹھہرا دیئے جاتے! (یہی فسادات اور بدامنی آج بھی ہندو برہمن کا کامیاب حیلہ اور اسلام کے خلاف واحد ہتھیار ہے!)

سنٹرل ایشیا میں چونکہ چالاک اور سنگ دل برہمن کا وجود نہیں تھا اس لئے نبوی طریقہ دعوت و تبلیغ اور اسلوب فتوحات اسلامی کو اپنا کر صوفیاء کرام نے ''خراج مست'' حکمرانوں کا نام نہاد پر امن ماحول خراب کیے بغیر کام کیا اور رنگ و نسل اور ظلم و محکومیت کے ستائے ہوئے انسان جوق در جوق دین وحدت و مساوات میں داخل ہوتے گئے اور اللہ کے نیک بندوں نے اخلاصِ عمل اور حسن سلوک سے اس خطہ کا نقشہ بدل ڈالا! وسطی ایشیا کے مسلم اکثریت کا علاقہ بننے کا راز یہی ہے! اس کے برعکس جنوبی ایشیا کے پسے ہوئے اور چھوت چھات کے ستائے ہوئے انسان جب بھی دینِ توحید، وحدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات کا رخ کرتے تو چالاک برہمن (آج کی طرح کل بھی) بدامنی اور فساد کا واویلا کر کے اقتدار پرست اور خراج مست حکمرانوں کو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا رستہ روکنے پر مجبور کر دیتا اور اشاعت اسلام کی لہر رک جاتی تھی، جنوبی ایشیا میں ایک ہزار سالہ مسلم اقتدار کے باوجود بھی مسلمانوں کا اقلیت میں ہونے کا راز بھی یہی ہے!

پہلی اور دوسری صدی ہجری کے دوران میں اسلامی فتوحات ایک سیل رواں کی شکل میں بڑھتی اور پھیلتی نظر آتی ہیں، دراصل یہ نتیجہ تھا اس حوصلہ و ہمت، حکمت و تدبیر، مخلصانہ دور اندیشی، جرأت مندانہ جوش و ولولہ اور فیصلہ کن گھڑی میں فیصلہ کن اقدامات کا جو شیخین۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما۔ کے عہد مبارک میں عمل میں آئے تھے! اس سے نہ صرف یہ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہودی عناد و حسد اور ریشہ دوانیاں اور سازشیں خاک میں مل گئیں بلکہ جزیرۂ عرب کے تمام داخلی فتنوں کا بھی قلع قمع ہو گیا حتیٰ کہ جلا وطن ہونے

Marfat.com

والے یہودیوں کی جھوٹی فریادوں اور معاندانہ اطلاعات پر بھڑنے اور نوزائیدہ اسلامی ریاست پر چاروں طرف سے پل پڑنے والے رومیوں اور ایرانیوں کو بھی منہ کی کھانا پڑی، اسلام کی انہی حیرت انگیز اور شاندار کامیابیوں نے اس وقت کی معلوم دنیا کے دلوں پر دین حق اور مسلمانوں کی ہیبت طاری کر دی تھی، اسی رعب وجلال کے سایہ میں امویوں کی ملک گیری اور کشور کشائی بھی کامیابی پر کامیابی حاصل کرتی چلی گئی، اس میں لشکریوں کی بہادری کا زیادہ دخل نہ تھا بلکہ صدیق وفاروق۔ رضی اللہ عنہما۔ کی بے لوث اور مخلصانہ حکمت عملی کی لہر اور جرأت مندانہ مہمیز تھی جس کے باعث تمام مرعوب اور ہیبت زدہ دنیا کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اسلام کی قوت کا سیل رواں ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر ہے! یہی کچھ اقبال نے بھی اپنی نظر بصیرت سے (۲۹) دیکھا تھا:

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

مگر پھر یزیدیت کے خلاف ردعمل اپنا کام کر رہا تھا، اموی ملوکیت کا تکبر وغرور جو آسمان پر پہنچ گیا تھا اور اسلام کو پھر سے جاہلیت کے شکنجے میں جکڑنے کی کوششوں میں منہمک تھا اس کے خلاف قدرت نے کام شروع کر دیا تھا، اہل بیت کرام کے نام پر اٹھنے والی عباسی تحریک نے بھی اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا مگر ابو مسلم خراسانی کے قتل اور عباسی ملوکیت کی بلی کے تھیلے سے باہر آنے کے بعد امت مسلمہ کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہو گئی تھی جس کا ذکر حضرت مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، نے کشف المحجوب میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ یزیدیت کے بھڑنے پر اہل بیت کی بھی یہی حالت (۳۰) ہو گئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ والے آگے آ گئے تھے! اہل بیت کی عظیم ترین قربانی نے یزیدیت پر ضرب کاری لگا دی تھی تاہم اہلِ بیت کرام اسلام کے شورائی جمہوری نظام کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے اور امام ابو حنیفہ، رحمۃ اللہ علیہ، جیسے علمائے امت اور صوفیاء کرام ان کی تائید وحمایت میں قید وبند کی صعوبتوں کی بھی پرواہ

Marfat.com

نہیں کر رہے تھے مگر اسلام کے شورائی جمہوری نظام اور اخوت و مساوات کو جو قوت و مہمیز اہل تصوف اور اصحاب طریقت کی پر عزم و پر زور مگر خاموش تحریک سے میسر آئی اس سے اسلام میں عرب و عجم ایک بار پھر سے اسلام کے عقیدۂ توحید، وحدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات کے سایہ میں سب ایک ہو گئے تھے! اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے اسلام کے سفیر و مبلغ بن کر نہ صرف عالم اسلام بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں رواں دواں ہو گئے تھے! کاروانِ حق کے انہی مسافروں میں سے ہمارے مرشد لاہور اور ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی بھی تھے، برصغیر میں جس شجرہ اسلام کی آبیاری پیر سجز حضرت خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر چشتی بزرگوں نے کی ہے اس کا بیج تو سید ہجویر، مخدوم امم، مرشد لاہور حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی ثم اللاہوری، رحمۃ اللہ علیہ ہی نے بویا تھا۔

حضرت ختلی شامی رحمۃ اللہ علیہ کے وطن کی بات مکمل کرنے، ان کے ہم وطن ختلیوں (یا ختاتلہ) کے اجمالی ذکر اور بیت الجن پر بات ختم کرنے سے پہلے دو باتوں کا ذکر مناسب بلکہ ضروری نظر آتا ہے، ان میں سے ایک تو مغرب سے اٹھنے والا فتنہ صلیبی جنگیں ہیں جو صلیبی یورپ نے عالم اسلام (۳۱) پر مسلط کی تھیں' ان جنگوں کے اسباب میں مسلمانوں کا تورتی بھر بھی دخل یا قصور نہیں تھا، روم و ایران سے یہودی حسد و عناد نے جو فریاد کی تھی اور ''مسلم خطرے'' کے متعلق جو جھوٹ بولے تھے وہ بیکار گئے تھے، اس لئے اب یہ یہودی حسد و عناد خفیہ طور پر پاپائے روم کے قدموں میں جا گرا تھا اور پوپ اربن ثانی کی دعوت پر عیسائی یورپ عالم اسلام کے خلاف بپھر گیا تھا، اس کی تفصیل تو غیر ضروری بلکہ ناممکن ہے مگر چونکہ اس فتنے کا تعلق اسی عہد سے ہے جو سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد بھی ہے اس لئے اس فتنہ کی طرف سرسری اشارہ ضروری تھا۔ جس میں اہل تصوف کے تربیت یافتہ مریدین ایوبیوں (صلاح الدین ایوبی اور ان کے چچا شیر کوہ وغیرہ جو شیخ جیلان کے حلقوں سے نکل کر آئے تھے) نے حصہ لیا تھا اور نہایت قابل فخر روایات چھوڑی ہیں (۳۲)!

Marfat.com

دوسری بات کا تعلق اس سیلاب بلا خیز سے ہے جو چنگیز خان اور ہلاکو خان کی قیادت میں منگولیا کے صحرا سے اٹھا تھا مگر یہ بھی یہودی و صلیبی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا، قریب تھا کہ یہ تاتاری سیلاب بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے اور دمشق و بیت المقدس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لینے کے بعد بڑے عزائم کے ساتھ سرزمین حجاز کا رخ کرے مگر حضرت ختلی کی سرزمین کے ایک پرعزم نوجوان نے نہ صرف یہ کہ اس سیلاب بلا کا رخ بھی موڑ کر اسے الٹے پاؤں واپس منگولیا بھیج دیا تھا بلکہ اس سے پہلے وہی پرعزم نوجوان صلیبی فتنہ کی بھی کمر توڑ چکا تھا اور یہ بات بھی تاریخ عالم کے عجائبات اور عبرتوں میں سے ہے لیکن اہل اسلام کے لئے یہ ناقابل فراموش مفاخر میں سے ہے اور قدرت ربانی کا کرشمہ بھی ہے!

جلال الدین خوارزم شاہ تاتاریوں سے شکست کھا چکا تھا اور تمام تر کوششوں کے باوجود اس کے شاہی گھرانے کی خواتین اور رشتہ داروں کو تو دریائے سندھ کی موجوں سے نہ بچایا جا سکا تھا مگر خطہ لاہور کا ایک باشندہ اور خوارزم شاہ کا وفادار غلام اس کی ایک پوتی اور نواسے کو بچتے بچاتے لاہور لے آیا تھا جہاں سے قسمت ان دونوں بچوں کو اس لاہوری وفادار غلام سمیت پہلے دمشق اور پھر قاہرہ لے گئی مگر اب وہ شہزادہ یا شہزادی کے بجائے زرخرید غلام اور لونڈی بن چکے تھے، قدرت ربانی نے اسی غلام کو مصر کا بادشاہ اور اسی لونڈی کو اس کی ملکہ بنا دیا!

سلطنتِ دہلی کے خاندانِ غلاماں کی طرح مصر کا بھی ایک خاندان غلاماں ہوا ہے جو ممالیک (واحد مملوک یعنی غلام) مصر کہلاتے تھے، خوارزم شاہ کا نواسہ قُطُز بھی غلامی کے بعد اسی مصر کا بادشاہ بنایا گیا تو الملک المظفر (فتح مند بادشاہ) کہلایا، اسی الملک المظفر نے مصر پر آخری صلیبی حملہ ناکام بناتے ہوئے صلیبی افواج کے سپہ سالار شاہ فرانس کو قیدی بنا لیا تھا اور صلیبی لشکری بھی سب کے سب غلام بنا لئے گئے تھے، گویا اس طرح الملک المظفر نے صلیبی فتنہ کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی تھی، پھر اسی الملک المظفر ہی نے فلسطین کے شہر ''عینِ جالوت'' کے مقام پر تاتاری افواج کو شکست فاش دے کر ان کے سپہ سالار کو بھی قیدی بنا کر نہ صرف

Marfat.com

تاتاری سیلاب بلا کو واپس بھیج دیا تھا بلکہ تاریخ کا دھارا بھی بدل کر رکھ دیا تھا! شہزادہ قُطُز کو چونکہ داتا کی نگری سے بھی واسطہ ہے اور ختلی کے سنٹرل ایشیا سے بھی اور یہ زمانہ بھی حضرت ختلی اور سید ہجویر مرشد لاہور کا زمانہ ہے (۳۳)۔ اس لئے اسی مناسبت سے اس شہزادہ کا ذکر خیر بھی آ گیا! شہزادہ قُطُز الملک المظفر کے ذکر خیر اور پیر ختلی کے کردار سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام کی سربلندی میں ترک قوم اور سنٹرل ایشیا کے لوگوں کا کیا کردار تھا اور آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہماری یہ بات مکمل نہیں قرار پائے گی اگر ہم نے اس ضمن میں علم و معرفت کی خاطر ختلیوں کی ہجرت (ہجرۃ الختاتلۃ، ختلی کی عربی جمع ختاتلہ ہو گی جس طرح بغدادی کی عربی جمع بغاددۃ بنا لی گئی ہے (۳۴)) کا تذکرہ نہ کیا ''اقرأ'' کے صیغۂ امر کی رو سے حصول علم تو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ہی، جو نہیں کرتا وہ گنہگار بھی ہے مجرم بھی ہے، کیونکہ فرمان نبوی اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے کہ طلب العلم فریضة علی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی علم کی طلب میں نکلنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، دستور اسلام میں حصول علم صرف ایک آئینی حق ہی نہیں کہ ملے یا نہ ملے یا اس سے دستبردار ہی ہو جائیں بلکہ فرض ہے اور فرض تو ہر حال میں ادا کرنا ہی ہوتا ہے ورنہ خلاف ورزی کرنے والا از روئے دین گنہگار اور از روئے آئین و قانون مجرم بھی ہو گا! یہی وجہ ہے کہ جب علم و معرفت، سیکھنا اور سکھانا، فریضہ ٹھہرا تو دنیا میں ایک تہلکہ سا مچ گیا، عرب و عجم، غلام و آزاد اور گورے کالے سب کے سب مسلمان علمی مراکز کی طرف دوڑ پڑے، اور سب کے سب بلا تفریق و امتیاز ایک ہی مرکز میں ایک ہی استاذ کے سامنے ایک ساتھ ہی بیٹھ گئے، کیونکہ علم سیکھنے اور سکھلانے میں سب برابر ہیں! اس حکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب استاذ اور شیوخ عجم، سنٹرل ایشیا، جنوبی ایشیا، افریقہ بلکہ اندلس اور یورپ میں بھی جہالت کی آگ بجھانے اور اس آگ میں جلنے والے انسانوں کو نجات دلانے کے لئے دوڑنے لگے، پھر ان غیر عرب علاقوں کے مسلمان علماء عرب دنیا کے علمی و ثقافتی مراکز......حرمین شریفین، دمشق بیت المقدس اور بغداد...... کی طرف دوڑ پڑے، ان دوڑ کر

Marfat.com

آنے والوں میں ختل اور بلادِ ختلان کے لوگ بہت سرگرم، بہت تیز اور بڑی تعداد میں نظر آئے، ان ختاتلہ یا ختلیوں میں ہی ہمارے مرشدِ لاہور حضرت داتا صاحب کے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی، رحمۃ اللہ علیہ، بھی تھے! میں نے متعلقہ مصادر و منابع کی ورق گردانی کی تو سینکڑوں ختاتلہ سے ملاقات ہوگئی، ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو حجاز و یمن اور عراق و شام کے رہنے والے تھے مگر علم کی پیاس بجھانے کے بعد ختل یا بلادِ ختلان چلے گئے، ان میں سے کچھ وہیں کے ہو رہے اور کچھ واپس بھی آ گئے مگر عرب ہوتے ہوئے بھی ختلی کہلانے میں فخر محسوس کیا (۳۵)! اسلامی نقطۂ نظر سے علم و ہنر کسی طبقہ (جیسا کہ برہمن!) کسی جماعت یا کسی قوم سے خاص نہیں بلکہ یہ تو مشترکہ انسانی میراث ہے، اس لئے جو بھی اس میدان میں آگے بڑھ گیا وہ احترام کا مستحق بن گیا اور اس پر یہ فرض ہو گیا کہ وہ اب دوسروں کو بھی سکھائے، اس میں رنگ و نسل یا آزاد و غلام یا مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہوگا!

ابن خلدون کو اس بات پر تعجب ہے کہ عربی اور اسلامی علوم کے حاملین کی اکثریت اہل عجم یا غیر عرب (۳۶) ہیں مگر یہ درست رائے دیتے وقت شاید بے چارے ملوکیت زدہ ابن خلدون کے ذہن میں وحدت ربانی اور وحدت نسل انسانی کا حکم ربانی اور اسلامی اخوت و مساوات کا وہ تصور کہیں فراموش ہو گیا تھا جس نے رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹا کر، عرب و عجم کے فرق کو مسترد کر کے اور پوری انسانیت...... آزاد و غلام، اعلیٰ و ادنی، گورے اور کالے یا مرد و عورت سب...... کو ایک آدم کی اولاد قرار دے دیا تھا، اب بخارا والے "مکی" اور مکہ والے بخاری کہلانے میں یا بغدادی "ختلی" اور ختلی "بغدادی" کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے، حتیٰ کہ مرشد لاہور کے مرشد شیخ ابوالفضل عرب میں "ختلی" اور ختل میں "شامی" کہلاتے تھے (۳۷)۔ اس لئے اب ہر ایک اپنے آپ کو صرف اور صرف مسلمان سمجھ کر اسلام اور اسلامی علوم و ثقافت کی خدمت میں پورے اخلاص کے ساتھ منہمک ہو گیا تھا، کوئی عرب کسی عجمی یا کوئی عجمی کسی عرب سے پیچھے نہیں تھا، چونکہ عربوں کی نسبت غیر عرب مسلمان تعداد میں

Marfat.com

زیادہ تھے اس لئے ظاہر بین آنکھ کو یہی نظر آیا کہ اسلامی علوم کے حاملین میں عربوں کے مقابلے میں غیر عرب زیادہ ہیں، ورنہ نگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں تو عرب اور غیر عرب سب برابر تھے اور ان میں تفریق و امتیاز جرم اور گناہ تھا، امام ابن تیمیہ نے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ مسجد نبوی کے سایہ میں حلقہ یاران میں رونق افروز تھے، ان میں کبارِ مہاجرین و انصار کے ساتھ حضرت بلال حبشی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم اجمعین بھی موجود تھے، ایک نومسلم دیہاتی عرب جس کا نام زید بن مطاطہ لکھا ہے، پاس سے گزرا تو تعجب کے ساتھ رواں تبصرہ کرتے ہوئے بولا: ان مہاجرین وانصار کا نبی عربی ﷺ پر ایمان لانا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ان میں یہ غیر عرب یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی پاس ہی تھے، انہوں نے جب یہ جاہلانہ تبصرہ سنا تو اس دیہاتی کو گریبان سے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! یہ اعرابی نیا نیا مسلمان ہوا ہے، اس نے ابھی تک جاہلیت کے غرور اور گھمنڈ کو نہیں چھوڑا!'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ اور ناراض ہوئے، سب کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا اور اس موقع پر یوں تقریر فرمائی (۳۸):

''ایها النـاسُ! اِن الـربَّ ربٌّ واحدٌ، وانَّ الاب، أبٌ وَاحدٌ، کلکـم لآدمُ و آدمُ من تراب! لافضل لعربّی علی اَعجمیّ ولا لا عـجـمیّ علی عربیٍّ اِلا بالتقوی! وَانَّ العربیةَ لَیستْ بابِ ولا امّ لاحدٍ منکم، وانما هی لسانٌ فَمَن تکلَّمَ بالعربیةِ فهو عربی، ومن وُجدَ له ابوانِ فی الاسلام فهو عربیٌّ!''

''یعنی اے لوگو سنو! بلاشبہ رب تو ایک ہی ہے، اور باپ بھی ایک ہی ہے، تم سب کے سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم خاک سے پیدا کیے گئے، اس لئے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت

Marfat.com

حاصل نہیں ہے مگر صرف تقویٰ سے (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے میں کمال سے!) اور یہ بھی یاد رکھو! عربی زبان کسی کا باپ ہے نہ ماں، یہ تو بس ایک زبان ہے، سو جس نے عربی سیکھ لی وہ عرب ہی ہے اور جس کا باپ اور دادا مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی عربی سیکھ گیا اس لئے وہ بھی مسلمان اور عربی ہے!''

یہ ارشادِ نبوی رنگ و نسل کے امتیاز کو حرف غلط کی طرح محو کر دیتا ہے! زبان اور زمین کے فخر و غرور کو بھی خاک میں ملا رہا ہے! یہاں مادری زبان کے دعوے کو بھی باطل ٹھہرایا جا رہا ہے! یہ تو چودہ سو سال بعد ہوا کہ آج ماہرین لسانیات بھی مادری زبان کے تصور کو مسترد کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کثرت استعمال اور مزاولت سے کوئی بھی کسی زبان میں خود اہل زبان کی طرح بلکہ ان سے بھی بہتر طور پر لکھنے اور بولنے کی قدرت حاصل کر لیتا ہے اور بولنے یا لکھنے لگتا ہے! خود انگریز مانتے تھے کہ ہمارے مولانا محمد علی جوہر ان سے بہتر انگریزی جانتے ہیں بلکہ ہمارے زیڈ اے سلہری مرحوم کا بھی یہی حال تھا (۳۹) اس لئے دنیا میں مادری زبان نام کی کوئی چیز نہیں ہے! کوئی بھی ماں کے پیٹ سے مادری زبان سیکھ کر جنم نہیں لیتا اگر کسی عرب ماں کا بچہ پنجاب کے ماحول میں پلے بڑھے تو پنجابی بول رہا ہوگا، اسی طرح اگر کسی پنجابی ماں کا جنا ہوا بچہ کسی عرب گھرانے میں پلے بڑھے تو وہ فصیح عربی ہی بولے گا، پنجابی اس کے لئے اجنبی زبان ہوگی، حالانکہ مادری تو ہے!

لیکن رسول اللہ ﷺ کی ایک بات پر مسلمانوں نے توجہ نہیں دی اور نہ عمل کیا! آپ ﷺ کے نزدیک اگر باپ اور دادا مسلمان ہو گزرے ہوں گے تو ان کے بچے اتنی عربی سیکھ چکے ہوں گے کہ اب آگے کی نسل کا ہر بچہ عربی ضرور جانتا ہوگا! گویا ہر مسلمان کے لئے عربی سیکھنا لازمی ہے تاکہ مسلمان دادا کا پوتا عربی ہی ہو!

تو یہ ہے وہ روح اور وہ موقف جو ہمیں وحدتِ ربانی، وحدتِ نسل انسانی اور اخوت

Marfat.com

و مساوات اسلامی کے ضمن میں سنت مصطفیٰ ﷺ سے میسر آتا ہے، اس حدیث کے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی اور فکر مندی بہت شدید تھی، آخر کیوں نہ ہوتی کہ آپ کی موجودگی میں، آپ ہی کے مسجد کے زیر سایہ اور آپ ہی کے کبارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے عقیدۂ وحدت ربانی، وحدت نسل انسانی اور اسلامی پیغام اخوت و مساوات پر زبان درازی کی گئی تھی اور اس کی مخالفت ہوئی تھی! پیغمبر صدق و اخلاص ﷺ یہ ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے اس لئے اس پر کاربند رہنے کی اتنی سخت اور مفصل تاکید فرمائی گئی! یہ پیغام وحدت، یہ اخوت و مساوات اس زمانے کے ستائے ہوئے انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور خصوصی انعام تھا اور آج بھی ہے!

اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کے اعلان کو ہم یا علامہ ابن خلدون بھول جائیں تو بھول جائیں مگر صدیوں کے ستائے ہوئے انسان اسے سن کر چونک پڑے تھے اور جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تھی تو وہ اس کی طرف لپک پڑے تھے، جیسے پیاسے پانی کے اعلان کی آواز سن کر چونک پڑتے ہیں اور جب وہ نظر آ جائے تو اس کی طرف لپک پڑتے ہیں بلکہ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں! کچھ یہی حال اس وقت صدیوں کے ستائے ہوئے انسان کا تھا اور آج بھی ہے! صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین بلکہ بعد کے اہل علم و اخلاص بھی پیغام مصطفیٰ ﷺ کو سن کر اور جان کر دیوانہ وار نکل کھڑے ہوئے تھے، پھر جس جس خطے کے انسان کو یہ پیغام ملا وہاں کے پیاسے انسان اسلام کے اصلی سرچشموں کی طرف لپک کر آ گئے تھے، یوں عرب و عجم کے تمام مسلمانوں نے مل کر اسلامی علوم و معارف کا علم اٹھا لیا تھا اور جہالت کی آگ بجھانے کے لئے سب کے سب یکساں کمربستہ ہو گئے تھے، چونکہ غیر عرب مسلمان تعداد میں زیادہ تھے اس لئے یوں لگا جیسے اسلامی علوم و معارف کا جھنڈا اہل عجم نے اٹھا لیا تھا مگر حقیقت میں اس کارِ خیر میں عرب و عجم میں سے کوئی بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا، یہ ضرور ہوا کہ بلاد عرب سے نکل کر بلاد عجم میں آنے والے اسلام کے سفیر و مبلغ تھوڑے لگتے ہیں مگر بلاد عجم سے اسلامی مراکز

Marfat.com

سے اپنی علمی و روحانی پیاس بجھانے والے ہجوم کے ہجوم نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ عرب تھے ہی تعداد میں تھوڑے مگر اہل عجم تھے ہی ہجوم کے ہجوم تو وہ زیادہ نظر کیوں نہ آتے!؟

اموی عہد میں اسلام پر یزیدیت کی داخلی ضرب پڑی تھی اس لئے مفتوحہ علاقوں میں بھی عرب سے آنے والے اکثر و بیشتر مال غنیمت یا خراج اکٹھا کرنے والے ہی نظر آنے لگے تھے، اللہ کے ایسے نیک بندے بہت کم تھے جو صرف اور صرف اسلام کے سفیر اور مخلص مبلغ بن کر آتے تھے مگر جونہی اصحاب طریقت اور اہل تصوف نے غار حرا، دار ارقم اور صفۂ مسجد نبوی کی روایت کو پھر سے زندہ کیا تو صورت حال بدلنے لگی تھی، دوسری صدی ہجری کے شروع میں ہی قدیم قبائلی عصبیت کو زندہ کرنے والوں اور مال غنیمت و خراج کو مقصد وحید سمجھنے والوں کا تختہ الٹ دیا گیا (۴۰) اور امویوں کی جگہ عباسی آ گئے تھے، اب ایک طرف تو عربوں کے ساتھ ساتھ اہل عجم کو بھی عباسیوں کی اسلامی حکومت میں شرکت کا موقع مل گیا تھا اور دوسری جانب کاروانِ حق کے نمائندوں نے بھی توحید، وحدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات اسلامی کا پیغام حق عام کرنے کا کام سنبھال لیا تھا، عرب و عجم ایک بار پھر سے شیر و شکر ہو گئے تھے، حجاز و یمن اور شام و عراق سے محدثین اور اہل تصوف ایشیا اور افریقہ میں آنے جانے لگے تھے جس کے نتیجہ میں علم و معرفت کے طلب گار قافلے بلخ و بخارا، ترمذ و سمرقند اور ختل و وخش سے حرمین شریفین، دمشق اور بغداد کا رخ کرنے لگے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ اور سنٹرل ایشیا کے بلخی، بخاری، سمرقندی و ہروی اور مراکشی و مغربی فقہاء، محدثین، صوفی اور فلسفی اسلامی دنیا کے ہر افق پر نمودار ہو گئے تھے ایسے ہی طالبان علم و عرفان کی ایک جماعت ایسی بھی سامنے آ گئی تھی جن میں سے ہر ایک ''ختلی'' کہلاتا تھا، ختل یا بلاد ختلان کے ان اہل علم نے تفسیر قرآن، حدیث نبوی اور سیرت طیبہ کو اپنا مرغوب میدان چنا تھا اور راویان حدیث نبوی میں نام پیدا کیا تھا، صحاح ستہ کے عظیم محدثین کی اکثریت کا تعلق بھی تو اسی خطۂ پاک سے ہے، اگر ہم چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے راویان حدیث کے تذکروں اور کتب تراجم و سیر

Marfat.com

کی ورق گردانی کریں تو درجنوں نہیں سینکڑوں ختلی راویان حدیث کے نام ملیں گے، انہی ناموں میں سے ایک نام شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی، رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جنہیں سنٹرل ایشیا کے لوگ (۴۰) ''بـلـفـضـل شـامـی'' کے نام سے زیادہ جانتے تھے کیونکہ وہ بلاد ختل کے بجائے اب بلاد شام کے مفسر و محدث مانے جاتے تھے، حضرت داتا صاحب نے بھی اپنے پیرو مرشد کو تفسیر و حدیث کا ہی عالم بتایا ہے (۴۱)! صرف ایک امام عبدالکریم سمعانی نے ''ختلی'' نسبت کے تحت ڈیڑھ درجن کے قریب ختلی علماء کے نام درج کیے ہیں جن میں سے بعض کو علم حدیث کی دنیا میں ثقہ و معتبر مانا گیا ہے (۴۲) مثلاً:

۱۔ جن ڈیڑھ درجن ختلیوں کا امام سمعانی نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے ایک ابوالقاسم عمر بن جعفر بن احمد بن سلم الختلی بھی ہیں، ان کے بارے میں سمعانی کے الفاظ ہیں: ''وکان من الصالحین''، یعنی صالح اولیاء اللہ میں سے تھے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ شیخ ابوالقاسم عمر بن جعفر کی طرح دیگر ختلی محدثین کی اکثریت بھی صوفی اور اہل طریقت بزرگوں پر مشتمل نظر آتی ہے، ابوالقاسم نے جن علمائے حدیث سے روایت کی ان میں شیخ حارث بن ابی اسامہ، شیخ اسماعیل القاضی اور شیخ ابراہیم الحربی بھی شامل ہیں، ان کے دو سگے بھائی بھی راویانِ حدیث میں سے ہیں، ان میں سے ایک احمد بن جعفر بن احمد بن سلم الختلی ہیں اور دوسرے محمد بن جعفر بن احمد بن سلم الختلی ہیں، ان تینوں بھائیوں کے حالات امام سمعانی کے علاوہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ مدینۃ دمشق میں دیئے ہیں، ان تینوں بھائیوں میں سے شیخ ابوالقاسم ۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی ۳۵۶ھ میں وفات ہوئی (۴۳)!

۲۔ سمعانی نے ایک ایسے ختلی محدث کا بھی ذکر کیا ہے جو اصلاً عرب تھا، مگر اس نے ختل میں جا کر علم حدیث کی شمع روشن کی تھی وہیں کے ہو گئے تھے اور وہ ہیں شیخ ابوالحسن علی

Marfat.com

بن عمر بن محمد بن الحسن بن شاذان الحربی الختلی الحمیر ی! خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ سکری بھی کہلاتے تھے، اصل میں حضر موت کے رہنے والے تھے مگر ہجرت کر کے ختل چلے گئے تھے (۴۴)!

۳۔ یہ ایک ایسے ختلی ہیں جن کا تذکرہ بیک وقت حافظ شمس الدین ذہبی، حافظ ابو بکر خطیب بغدادی اور حافظ ابن عساکر دمشقی نے کیا ہے اور یہ ہیں ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید الختلی، رحمۃ اللہ علیہ، ان کے اساتذہ اور شیوخ حدیث میں امام یحیٰ بن معین، مصعب الزبیری اور امام احمد بن حنبل، رحمہم اللہ، بھی شامل ہیں، جب کہ ان سے حدیث اخذ کرنے والوں میں علامہ ابو بکر محمد بن احمد بن ہارون عسکری الفقیہ، امام الفضل بن محمد البیہقی الشعرانی اور محدث زمان حضرت ابو بکر بن ابی الدنیا بھی شامل ہیں، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ انہوں نے تصوف کے موضوع پر کئی ایک، کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہین! ان کی مرویات میں مشہور حدیث بھی شامل ہے جو حضرت سہل بن سعد الساعدی، رضی اللہ عنہ، نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ "ان اللہ یحب معالی الاخلاق و یکرہ سفا سفھا "یعنی اللہ تعالیٰ بلند اخلاق کو پسند فرماتے ہیں مگر پست عادات کو ناپسند فرماتے ہیں!

کتب سیر و تراجم اور تذکروں کی ورق گردانی کے دوران میں ڈیڑھ سو کے قریب ختاتلہ یا ختلی علماء حدیث کے نام سامنے آئے ہیں، تاریخ بغداد، تاریخ مدینۃ دمشق، کتاب الانساب، الاکمال، تکملۃ الاکمال، اللباب، لب اللباب، سیر اعلام النبلاء، العبر، تذکرۃ الحفاظ، ذیل تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان، الجرح والتعدیل تہذیب اور شذرات الذہب کے علاوہ دیگر کتب تاریخ و تراجم میں بہت سے ختاتلہ کے تذکرے موجود ہیں، مقصد صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت داتا صاحب کے پیر و مرشد حضرت محمد ختلی شامی، رحمۃ اللہ علیہ کا وطن اصلی اور آباد و اجداد کا مسکن شہر ختل اور علاقہ بلاد ختلان بھی ترمذ و سمرقند اور بلخ و بخارا کی طرح

Marfat.com

اہل علم و فضل کے وجود سے مالا مال تھا اور ہماری شاندار علمی و ادبی تاریخ کے یہ سب بھی امین ہیں! اس سے حضرت داتا پیر، رحمۃ اللہ علیہ، کے پیر و مرشد حضرت محمد ختلی شامی، رحمۃ اللہ علیہ، کے مرتبہ و مقام کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے، لوگوں سے دور چپ چاپ گوشۂ عافیت اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور شہرت عام سے متنفر گمنامی کی زندگی کو پسند کرنے والے ولی کامل کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا! شام کی غیر معروف بستی ''بیت الجن'' کو کوئی یاد رکھے یا نہ رکھے مگر اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کے طفیل اس بستی کا نام بھی تاریخ کے صفحات میں زندہ ہو گیا ہے اور ہمیشہ زندہ ہی رہے گا، ہم اس بستی کے نام کو کبھی فراموش نہیں کریں گے کیونکہ یہ مخدوم امم، سید ہجویر اور مرشد لاہور حضرت ابو الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ثم اللاہوری، رحمۃ اللہ علیہ، کے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی، رحمۃ اللہ علیہ، کے دم واپسیں کی یادگار اور مدفن ہے!

حضرت ختلی، علیہ الرحمۃ، کا ملک شام، عظیم تر شام تھا (جس میں موجودہ شام کے علاوہ لبنان، اردن اور پورا فلسطین، بشمول یہودی مقبوضہ علاقہ بھی شامل تھا) اس لئے شام کے جن شہروں میں ان کا آنا جانا اور قیام رہتا تھا ان میں بیت الجن کے علاوہ دمشق اور بیت المقدس (۴۵) شامل تھے، تاہم زندگی کے ساٹھ سال، جو آپ نے تنہائی اور زاویہ گیری میں گزارے ان کا بیشتر وقت کوہِ ابدال و اوتاد، جبل لکام میں گھومتے پھرتے بسر ہوا یا ایک غیر معروف پہاڑی بستی ''بیت الجن'' (جن کا گھر) میں گزرتا تھا، اس لحاظ سے انہیں ''نزیل بیت الجن'' (بیت الجن میں فروکش ہونے والے) اور ''مسافرِ کوہِ لکام'' کہنے میں کوئی حرج نہیں، جب کوہِ لکام میں روحانی جولانیوں کا سفر ختم ہوتا تو وہ بیت الجن میں تشریف لا کر فروکش ہو جایا کرتے اور آرام فرماتے تھے۔

بیت الجن کے متعلق یہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ ایک پہاڑی بستی یا ڈیرہ تھا (جواب غیر آباد سا اور فراموش ہو چکا ہے!)، اس کا محلِ وقوع شام کے خوبصورت شہر اور دار الحکومت دمشق اور ساحلی شہر بانیاس کے درمیان ہے، جب ابدال و اوتاد کے ماوی و ملجا کوہِ لکام میں روحانی سفر

Marfat.com

مکمل ہو جاتا اور خوبصورت اور قدرتی مناظر سے مزین جنگلات اور وادیوں سے بھی طبیعت بھر جاتی تو پھر بیت الجن ہی ان کی عزلت نشینی وتنہائی کے لئے ایک گوشۂ عافیت کا کام دیتا تھا۔

جبل لکام، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں اولیاء اللہ میں سے جو ابدال و اوتاد کے روحانی مناصب پر فائز ہوتے تھے، وہ اکثر کوہ لکام کو شرف بخشتے تھے، دراصل یہ لکام ایک طویل سلسلۂ کوہستان کا ایک حصہ ہے، جس کی جڑیں حجاز کی سرزمینوں میں ہیں، یوں کہا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی علاقے کی ایک چوٹی سے اٹھتا ہے (۴۵) اور پھر بلند ہوتے ہوتے جب شام ولبنان تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے سلسلۂ کوہستانِ لبنان کا نام دیا جاتا ہے۔ اس پہاڑ کی بعض باتیں یا روایات بے حد عجیب اور بہت دلچسپ ہیں، بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں سے شروع ہو کر بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے ساحلوں تک یہ کوہستان پھیلتا چلا جاتا ہے، لوگوں نے اس پہاڑی سلسلہ کے مختلف علاقائی نام رکھے ہوئے ہیں ہر ملک اور ہر شہر والے اسے ''اپنا پہاڑ'' سمجھتے ہیں، چنانچہ شام اور لبنان کے لوگ اسے جبلِ لبنان کا نام دیتے ہیں، بحیرہ روم کی طبیعی فضا اور موسمی اثرات کے طفیل اسی کوہستانِ لبنان کا یہ حصہ شامیوں اور لبنانیوں کا ''کوہِ لبنان'' ہے جو خوبصورت ومتنوع قدرتی مناظر کی ایک وسیع دنیا رکھتا ہے، عرب ان مناظر کے بہت دلدادہ ہیں اور بعض عرب شعراء تو ان کے عاشق ہیں، لبنان کی ایک وادی کا نام شعب بوان ہے، عرب کا عظیم شاعر متنبّی اس گھاٹی یا وادی کو بے حد پسند کرتا تھا، اس نے ان قدرتی مناظر کی لفظی تصویر کشی بھی کی ہے جو بہت خوبصورت اور دلچسپ ہے، اس نے اپنا ایک نونیہ قصیدہ اسی شعبِ بوان کی نذر کیا ہے جس کا مطلع ہے (۴۶):

مَغَانِی الشعب طِیبًا فِی المغانی

بمنزلة الربیع من الزمان

''یعنی شعب بوان کے گھنے درختوں کے جھنڈ دنیا بھر کے ذخائر اشجار

Marfat.com

میں خوشبو کی حیثیت رکھتے ہیں، یوں سمجھو کہ یہاں دائمی بہار ہے کیونکہ یہ
ذخیرہ زمانے بھر میں موسم ربیع و بہار کا درجہ رکھتا ہے!)''

شام کا جو حصہ (صلیبیوں کی مہربانی سے) اب لبنان کہلاتا ہے اس کے ساحلی شہروں......انطاکیہ اور مَصِیْصَہُ کے لوگ اپنے علاقے میں پڑنے والے کوہستان لبنان کے حصے کو ''لکام'' کا نام دیتے ہیں، متنبّی نے اپنا ایک میمیہ قصیدہ وادیٔ لکام کی نذر بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے(۴۷):

بارضٍ ما اشتهيت رأيت فيها	فليس يفوتها اِلّا الكرام
بها الجبلان من صخر و فخر	اَنَا فَا ذا المغيث و ذا اللكام

''یعنی وہ ایک ایسی سرزمین ہے جہاں میں نے جو چاہا پایا کیونکہ یہاں
صرف سخی لوگ ہی مفقود ہیں! اس میں پتھر اور گارے سے عبارت دو
پہاڑ بھی ہیں جنہوں نے مغیث اور لکام کو بلند کر دیا ہے!''

کوہستان لبنان کا جو حصہ فلسطین میں پڑتا ہے اسے جبل الحمل (مینڈھا) کہتے ہیں، اردن والے اپنے حصے کے لبنان کو جبل الجلیل (رعب وجلال والا پہاڑ) کہتے ہیں۔ کوہستان لبنان کا جو حصہ دمشق کے پاس سے گزرتا ہے اسے لوگ کوہِ سنیر کہتے ہیں، شام کے شہر حلب، حماۃ اور حمص کے لوگ اپنے علاقے سے گزرنے والے حصہ کو ''کوہِ لبنان'' ہی کہتے ہیں، مگر جب یہی سلسلہ کوہستان شہر ملطیہ، سمیساط، قالیقلی (جو کتاب النوادر والامالی کے مشہور مصنف ابوعلی القالی کا اصلی وطن بھی ہے) اور یہی سلسلہ جب اس سے آگے بحیرۂ خزر کے کنارے تک پہنچتا ہے تو ان علاقوں کے باشندے اسے ''القبق'' کا نام دیتے ہیں (۴۸)!

کوہستان لبنان کے اس طویل سلسلے کے مختلف لوگ ستر کے قریب زبانیں بولتے یا لہجات استعمال کرتے ہیں اور یہ آپس میں جب ملتے ہیں تو ترجمان کے بغیر بات بھی نہیں کر سکتے، تمام عرب جغرافیہ نویس، تذکرہ نگار اور مورخین یہ لکھنا نہیں بھولتے کہ کوہستان لبنان کا جو

Marfat.com

حصہ کوہِ لکام کہلاتا ہے اس میں صالحین اولیاء اللہ ''ابدال'' رہتے ہیں! اسی کوہِ لکام میں ہمارے سیّد ہجویر مرشدِ لاہور حضرت داتا صاحب کے پیرو مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، عبادت و ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ محوِ خرام بھی رہتے تھے، یہاں کی بستی بیت الجن میں آپ اکثر فروکش رہتے تھے، یہیں پر پیر ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالسِ وعظ و تلقین اور محافل ذکر و درود کا بھی انعقاد ہوتا تھا، یہیں پر علم و عرفان کے طلب گاروں کی تسکین کا سامان بھی ہوتا تھا جن میں داتا پیر بھی شامل ہوتے تھے، یہیں پر شیخ و مرید کی ملاقات ہوتی تھی اور یہیں پر حضرت ختلی کی وفات ہوئی! اس طرح ختل سنٹرل ایشیا سے اٹھنے والے اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کی جائے وفات اور مدفن شام کا یہی ایک غیر معروف دیہات بیت الجن قرار پایا!

Marfat.com

شیخ ابوالفضل ختلی شامیؒ

عجیب اتفاق ہے کہ مرشد و مرید دونوں کے حالات زندگی بہت ہی کم دستیاب ہیں، جس طرح حضرت داتا صاحب کے معاملے میں تذکرہ نگاروں نے بخل، چشم پوشی اور بے نیازی سے کام لیا ہے اسی طرح ان کے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل ختلی شامی کے احوال زندگی سے بھی تاریخ و تراجم کے صفحات تقریباً خالی ہی نظر آتے ہیں، ڈاکٹر محمود عابدی کشف المحجوب کے طہران ایڈیشن کے مقدمہ میں شکایت کے انداز میں فرماتے ہیں (۱):

''اطلاعاتِ ما دربارۂ ابوالحسن علی بن عثمان جُلابی، هجویری، غزنوی و سوانح زندگی وی بسیار اندک است، منابع نزدیک به روزگارِ حیات او یعنی آثار شناخته شده قرون پنجم و ششم سخنی دریں باب نیا ورده اند''

''یعنی حضرت ابوالحسن علی بن عثمان جلابی، ہجویری، غزنوی کے متعلق ہماری معلومات اور ان کے حالات زندگی بہت ہی کم دستیاب ہیں، ان کی زندگی کے قریب کے زمانے سے متعلق نشان زدہ مصادر یعنی پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے معلوم و متداول تذکروں میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا!''

اگر یہاں فارسی عبارت اور اس کے اردو ترجمہ میں ''حضرت ابوالحسن علی بن عثمان جلابی، ہجویری، غزنوی'' کی جگہ ''حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن بن علی ختلی شامی'' لکھا اور

Marfat.com

پڑھا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا! دونوں عبارتوں میں کسی لفظ کی کمی بیشی نہیں کرنا پڑے گی اور بات بھی بالکل صحیح ہوگی!

مگر یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہی ہے کہ مرشد و مرید دونوں کے احوال زندگی اور ان کی فکر و شخصیت کے نقوش اور جواہر پارے ''کشف المحجوب'' کے صفحات سے ہی اکٹھے کئے جاسکتے ہیں جو اس کتاب جلیل و عظیم میں پھولوں اور موتیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں، اگر انہیں جمع کر لیا جائے تو ان دونوں بزرگوں کی زندگیوں کے گلدستے اور قلمی تصویریں تیار کی جاسکتی ہیں، اور حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی تو ایک قلمی تصویر پہلے ہی تیار کی بھی جاچکی ہے جو پاکستان کے ایک مؤقر اردو مجلّہ (۲) میں مقالے کی صورت میں شائع بھی ہوچکی ہے اور اسے یہاں دوبارہ بھی پیش کیا جارہا ہے!

حضرت شیخ ابو الفضل کے متعلق ان کے نام کے ساتھ ''ختلی'' نسبت (۳) سے ہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کی اصل اور مسکن اجداد تو مردم خیز سرزمین خُتل ہی تھی، اور باقی کی بات حضرت داتا صاحب نے بتائی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ابدالوں کے مقام بلند ''کوہِ لُکام'' کی وادیوں میں تنہا اور گمنام رہ کر عبادت و ذکر اللہ میں بتادیا تھا اور اسی پہاڑ کے دامن میں ہی ایک غیر معروف سی بستی یا ڈیرہ ''بیت الجن'' میں آکر وہ آرام کر لیتے تھے جو شام کے دار الحکومت دمشق اور ساحلی شہر بانیاس کے درمیان واقع ہے، اسی بیت الجن میں ہی داتا پیر کے زانو پر سر رکھے وہ اللہ کو پیارے ہوگئے تھے (۴)، رہی ان کی تاریخ پیدائش اور وفات تو مخدومِ امم مرشدِ لاہور نے بھی نہ اپنے پیر و مرشد کی تاریخ پیدائش و وفات بتائی ہے نہ کسی اور بزرگ کی تاریخ پیدائش اور وفات کا ذکر کیا ہے، جن کے تذکرے ''کشف المحجوب'' میں موجود ہیں، حضرت داتا صاحب کی اپنی معتبر تاریخ پیدائش اور وفات بھی کسی کو معلوم نہیں، شاید اس زمانے کے تذکرہ نگاروں کے ہاں یہ رواج ہی نہ تھا!

ڈاکٹر محمود عابدی نے اختصار اور جامعیت سے کام لیتے ہوئے شیخ ابو الفضل ختلی شامی

Marfat.com

کے احوال زندگی، حضرت داتا صاحب سے ان کی ملاقات، تعارف، بیعت اور پھر بیت الجن میں مرشدِ لاہور کے زانو پر سر رکھے ان کی وفات تک کا احاطہ یوں کیا ہے کہ: قدیم خراسان اور موجودہ ترکمانستان کے ایک شہر "میہنہ" میں حضرت ابو سعید ابوالخیر کے مزار پر مرشد و مرید کی پہلی تعارفی ملاقات ہوئی تھی، پھر دونوں ایک ساتھ ہی شام چلے گئے تھے اور آخر کار بیت الجن میں اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت داتا صاحب واپس خراسان آ گئے تھے (۵)!

ڈاکٹر عابدی صاحب کا یہ تبصرہ اور استنتاج تو بڑا ہی دلچسپ، نہایت برمحل اور ان کی ذہانت و مہارت کی دلیل بھی کہی جا سکتی ہے بلکہ پڑھنے، سننے اور سر دھننے کے بھی لائق ہے (۶) کہ:

"هجویری به ارادت این شیخ جنیدی در آمد وچون مانند شیخ، پای بسته کسی یا چیزی نبود و پیو سته دل در سفر داشت، درخدمت ایں شیخ جریده رو به شام رفت!"

"یعنی ہجویری اسی شیخ کی زیارت کے ارادے سے (میہنہ میں) آن پہنچے تھے، چونکہ وہ اس شیخ کی طرح کسی شخص (بیوی و اولاد) سے یا کسی اور چیز سے بندھے ہوئے نہ تھے اور ان کی طرح ہمیشہ سیر و سفر کے دلدادہ رہتے تھے، اس لئے اس شیخ کے ساتھ وہ بھی کھنچے چلے گئے اور شام کا رخ کر لیا تھا!"

مگر حقیقت احوال یوں ہے کہ حضرت ابوالفضل ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کے احوال و آثار کے تین دستیاب تراجم (یعنی سوانح حیات، حالاتِ زندگی یا کوائف) ملتے ہیں (۷)۔ جن میں سے ایک تو مختصر مگر مکمل ہے، دوسرا ادھورا ہے اور تیسرا پہلے کی نقل ہے! مرشدِ لاہور نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اپنے شیخ کا مختصر مگر مکمل ترجمہ دیا ہے، صاحب "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید" کے مصنف محمد بن منور نے ضمنی سا بلکہ ادھورا سا ترجمہ دیا ہے، لیکن

Marfat.com

صاحب نفحات الانس مولانا عبدالرحمٰن جامی نے تو داتا صاحب کی لفظ بلفظ نقل کر دی ہے جو ''مطابقِ اصل'' ہے، اور یہ ہمارے اکثر تذکرہ نگاروں کا معمول رہا ہے کہ وہ ''نقل راچہ باید عقل''، اور مکھی پر مکھی مارنے کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ ماہر بھی رہے ہیں! حیرت تو اس بات پر ہے کہ بعد کے زمانوں میں فارسی زبان میں جو تذکرے مرتب کیے گئے یا ان کے اردو میں جو ترجمے ہوئے ان کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی جو کمالات دکھائے ہیں ان پر تو رونا بھی آتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے، داراشکوہ کی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' کے ایک اردو مترجم نے تو شیخ کا نام ''ابوالفضل بن ختلی'' تحریر فرمایا ہے! اور کشف المحجوب کے ایک مترجم نے بھی ایسے ہی لکھا ہے۔ ایک اور مترجم نے ختلی کو تاء کی جگہ طاء سے خطلی لکھا ہے! مکھی پر مکھی مارنے، عالمانہ غضب ڈھانے اور بات کو خلط ملط کرنے میں ہمارے عرب تذکرہ نگار یا کتب تراجم و اسماء الرجال کے بعض مصنفین کے کمالات بھی جہالت اور بدحواسی کے ''کرشمے'' ہیں! آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے فارسی و اردو کے تذکرہ نگار نہ صرف یہ کہ اپنے عرب بھائیوں سے متاثر ہیں بلکہ ان کے ''خوشہ چین'' بھی ہیں اور یہ بالکل درست ہے!!

عربی کتب تراجم و تذاکر کی ورق گردانی اور چھان بین کے دوران میں مجھے ایک ختلی (ایک نہیں ڈیڑھ سو سے زائد ختلی نظر پڑے) عالم اور محدث کا ذکر ملا ہے، جس کا نام تھا ''محمد بن الحسن بن علی ختلی''، جسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ منزل مل گئی! پھر ایک اور تذکرہ میں لکھا تھا ''محمد بن علی بن الحسن ختلی'' ایک تیسرے تذکرہ میں تھا ''محمد بن الحسن بن علی بن طوق ختلی''، اس سے مجھے مزید خوشی ہوئی کہ چلئے داتا پیر کے شیخ کی چوتھی پشت بھی مل گئی! مگر کنیت ''ابوالفضل'' کے بجائے ''ابوبکر'' لکھی تھی! اس ختلی کے مشہور شیوخ حدیث کے ساتھ ساتھ اس سے حدیث اخذ کرنے والے تلامیذ میں امام بخاری، عبداللہ بن احمد بن حنبل اور دارقطنی کے نام بھی ملے، اندازہ ہوا کہ اسلامی اخوت و مساوات کے علمبردار دین اسلام کو ماننے والے عربی و عجمی یا آقا و غلام میں بھی تفریق و امتیاز کے قائل نہیں تھے، لیکن میں ابھی تک بھی اس

Marfat.com

شش و پنج میں ہوں کہ اس ختلی بزرگ کو حضرت داتا صاحب کے پیرو مرشد کا ترجمہ سمجھوں یا نہ سمجھوں؟ کیونکہ اس کے شاگردوں میں ایک نام ایسا بھی ملا جو اس ختلی شیخ کا راوی اور شاگرد تو تھا مگر یہ استاذ ختلی اپنے اس شاگرد کی پیدائش سے بھی پہلے ہی مر چکا تھا! یہ دیکھ کر قلم چھوڑ دیا اور ابھی تک دوبارہ قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو پا رہی (۸)!

جیسا کہ گزشتہ باب سے واضح ہے کہ حضرت ابو الفضل محمد ختلی کا آبائی مسکن یا وطن اصلی شہر ختل تھا جو قدیم خراسان یا بلادِ ماوراء النہر (جیجون یا آمو دریا کے اس پار) میں واقع تھا اور وہاں کے اہم شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہی شہر ابتدائی اسلامی فتوحات کے زمانے میں بلادِ ختلان کا مرکزی شہر اور دار الحکومت بھی تھا، عرب مؤرخین اور جغرافیہ نگار اس شہر کا محلِ وقوع مشہور تاریخی شہر بلخ کے آس پاس بتاتے ہیں (۹)، مگر قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ شیخ ابو الفضل، رحمۃ اللہ علیہ، کا مَولَدُ و مَنشا یعنی پیدا ہونے پلنے بڑھنے کی جگہ بھی یہی شہر یا علاقہ تھا، یا وہ عراق و شام کے کسی شہر میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے، ختل اور بلادِ ختلان کا علاقہ آج کل ملکِ تاجکستان میں شامل ہے اور ختل شہر اب ویران اور غیر آباد ہے (۱۰)۔

شیخ الختلی کا نام نامی ''محمد علیہ السلام'' تھا، والد کا اسم گرامی ''الحسن بن علی'' ہے، مگر بعض مصادر میں ''علی بن الحسن بن طوق'' بھی مذکور ہے لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا، آپ کی مشہور کنیت ''ابو الفضل'' ہے مگر بعض مصادر میں ان کی کنیت ''ابو بکر'' بھی مذکور ہے نسبت، ''الختلی'' ہے، بعض مصادر میں ایک اور نسبت ''الحرمی'' بھی مذکور ہے، عربی مصادر و منابع میں وہ ''ابو الفضل الختلی''، مشہور ہیں لیکن شام میں جا بسنے کی وجہ سے خراسان اور بلاد ماوراء النہر کے لوگ انہیں ''ابو الفضل الشامی'' بھی کہتے تھے، اسی لئے بعض فارسی تذکروں میں انہیں ''بلفضلِ شامی'' لکھا گیا ہے (۱۱)۔

نظر بظاہر حضرت شیخ کی تین پشتوں کو تو یقیناً اسلام قبول کرنے کا شرف نصیب ہوا تھا، چوتھی پشت میں بعض جگہ ایک نام ''طوق'' آتا ہے، مگر ان کے اسلام کے متعلق یقین سے

Marfat.com

کچھ کہنا مشکل ہے تاہم ان کے مسلمان ہونے کے امکانات زیادہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خراسان اور بلادِ ماوراء النہر کے اکثر علاقے پہلی صدی ہجری کے نصف اول ہی میں فتح ہو گئے تھے اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں ہی یہ علاقے خلافتِ راشدہ کی حدود میں شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ بعید از امکان نہیں ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ حضرت محمد ختلی کے پڑدادا (طوق یا کوئی اور نام) نے بھی قبول اسلام کا شرف حاصل کر لیا ہو، مگر اپنے لئے وہ کوئی نیا عربی اسلامی نام منتخب نہ کر سکے ہوں اور اس طرح شیخ ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کی چار پشتیں مشرف بہ اسلام ہو گئی ہوں، اس وقت امیر المؤمنین چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے یا تو اس لیے، یا پھر اہل بیت کرام کی محبت وعقیدت کے باعث شیخؒ کے پڑدادا نے اپنے بیٹے کے لئے ''علی'' نام منتخب کیا ہو، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ بیتِ کرام کا بھی اکثر معمول بن گیا تھا اور اسلامی دنیا کی یہ ایک علمی وادبی روایت بھی چلی آتی ہے کہ جس شخص کا نام ''علی'' ہوتا ہے وہ اپنے بیٹے کا نام ''حسن'' یا ''الحسن'' رکھتا ہے اور اس کی کنیت (بشرطیکہ کنیت اختیار کرنے کی ان کے ہاں روایت یا رواج ہو تو) ہمیشہ نہیں تو اکثر کی کنیت ''ابوالحسن'' ہی ہوتی ہے، حضرت علی، رضی اللہ عنہ، کے سب سے بڑے فرزند بھی الحسنؓ تھے اور اس وجہ سے آپ کی کنیت بھی ''ابوالحسن'' تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم، بھی آپ کو احتراماً اسی کنیت سے یاد کرتے تھے، حضرت امام حسن، رضی اللہ عنہ، کی کنیت ''ابومحمد'' تھی اس لئے اکثر وبیشتر سادات کرام میں سے بھی جس کا نام حسن یا الحسن ہوتا ہے وہ بھی اپنی کنیت ''ابومحمد'' ہی اختیار کرتے رہے ہیں اور اسی کی پیروی میں عام مسلمان بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں (۱۲)، اس لئے عین ممکن ہے کہ حضرت شیخ ختلی کے خانوادہ نے بھی اسی اسلامی روایت کی پیروی میں اپنے نام ''محمد بن الحسن بن علی'' اختیار کیے ہوں، اور اسی لئے ہم شیخ ختلی کے نسب نامہ میں ''محمد بن علی بن الحسن'' کو درست نہیں سمجھتے، ہمارے نزدیک زیادہ صحیح نسب نامہ ''محمد بن الحسن بن علی'' ہی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

بحث و تحقیق کی غرض سے ہم نے کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی ہے کہ کتب تذکرہ میں ''کوئی ختلی'' ایسا ملے جو ''الحسن بن علی بن طوق کہلاتا ہو'' یا ایسا ختلی مل جائے جو ''محمد بن الحسن بن علی بن طوق ختلی یا شامی'' کا فرزند کہلاتا ہو مگر دستیاب کتب تذکرہ اور تراجم چھان مارنے کے باوجود بھی ہمیں کہیں ایسا نام نظر نہیں آیا، اس سے ہم نے دو نتائج اخذ کیے ہیں جو امید ہے غلط نہیں ہوں گے:

۱۔ یہ کہ ہمارے مرشد لاہور کے پیر و مرشد کے والد گرامی یا تو تحصیل علم و عرفان کے لئے ختل سے نکلے ہی نہیں یا پھر علم و فضل یا عرفان و طریقت کی دنیا میں وہ کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر پائے، والفضل عنداللہ والتوفیق بیدہ، اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ حضرت محمد الختلی، رحمۃ اللہ علیہ، ہی تحصیل علم و فضل اور عرفان و طریقت کی دنیا میں نام پیدا کرنے کے لئے ختل سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہی نمایاں مقام اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرما دیا اور وہی تھے جو سیّد ہجویر کو علم و فضل اور تصوف و طریقت کی دنیا کا آفتاب عالمتاب بنا سکے، ''وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء'' اور یہ بھی کہ زیادہ امکان اب یہی رہ گیا ہے کہ حضرت محمد الختلی، علیہ الرحمہ کا مولد و منشا بھی شام و عراق کے بجائے شہر ختل ہی ہو!

۲۔ ایسے ختلی کا نہ ملنا جو ''محمد بن الحسن بن علی الختلی'' کا بیٹا ہو، اس بات کی دلیل بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ ختلی کی کوئی اولاد نہ تھی یا آپ نے شادی ہی نہیں کی تھی (اور یہی آخری بات زیادہ ممکن اور قابل ترجیح بھی معلوم ہوتی ہے! واللہ اعلم؟)۔

حضرت شیخ ختلی کی پیدائش اور وفات کے متعلق ایک صحیح اندازہ کے مطابق وہ طویل العمر بزرگانِ دین میں سے تھے اور آپ نے سو سال کے قریب عمر پائی تھی اور ہو سکتا ہے کہ آپ کے باپ، دادا اور پردادا نے بھی اسی طرح طویل عمر پائی ہو، اس لحاظ سے اس ختلی خانوادہ کی اسلام سے وابستگی تقریباً پانچ سو سال ثابت ہوتی ہے جس کے آخری فردِ فرید و یکتا

Marfat.com

ایک تاریخ ساز شخصیت کی حیثیت سے اسلامی تاریخ میں ہمارے لئے شاندار اور زندہ جاوید یادیں چھوڑ گئے ہیں! اس طرح وہ خود بھی اَمر ہو گئے اور اپنے خانوادہ کی عزت واحترام کو بھی غیر فانی بنا گئے!

اگر یہ درست ہے (اور بظاہر اس میں انکار یا شک کی چنداں ضرورت نہیں ہے) کہ خُتل اور بلاد ختلان، قدیم خراسان سمیت، حضرت عثمان غنی اور علی مرتضیٰ، رضی اللہ عنہما، کے عہدِ مبارک میں ہی خلافت راشدہ کا حصہ (۱۳) بن گئے تھے تو پھر یہ مفروضہ بھی غلط نہیں ہوگا کہ اس عہد مبارک میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں شیخ ابو الفضل ختلی کے جداعلیٰ بھی شامل ہوں گے، پھر یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی ملاقات کسی صحابی رسولﷺ سے بھی ہوئی ہو (جیسے حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ امیر خراسان) اور اس طرح وہ تابعی ہونے کا شرف بھی پا گئے!۔

پھر یہ بات تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت شیخ ابو الفضل، رحمۃ اللہ علیہ، ۴۴۰ھ میں جب اپنے ایک خواب کو تعبیر دینے کے لئے بیت المقدس کی ایک خانقاہ سے نکل کر شیخ میہنہ، حضرت ابوسعید ابوالخیر، علیہ الرحمہ، کے مزار پر پہنچے تو اس وقت شیخ میہنہ (۴۴۰ھ میں) فوت ہو چکے تھے اور شیخ ختلی کی عمر اس وقت یعنی ۴۴۰ھ میں اسی سال سے زیادہ ہو چکی تھی (۱۴)، اگر شیخ ختلی ۴۴۰ھ میں اسی سال سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے اور امام ذھبی سے منسوب قول کے مطابق حضرت شیخ کی وفات ۴۶۰ھ میں ہوئی (۱۵)، اگر یہ دونوں باتیں درست مان لی جائیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شیخ محمد الختلی، رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ پیدائش تقریباً ۳۶۰ھ ہے اور اگر ہم یہ بھی مان لیتے ہیں (اور نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے) کہ پہلی صدی ہجری (تقریباً ۳۰ھ تا ۴۰ھ) کے نصفِ اول میں جب خراسان اور بلاد ماوراء النہر کے علاقے خلافت راشدہ میں شامل ہوئے تھے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسلام میں داخل ہوئے ان میں حضرت کے پڑدادا بھی شامل ہوں گے، یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت شیخ ابو الفضل

Marfat.com

الختلی سو سال کے قریب عمر پا کر فوت ہوئے تو اس طرح چار سو سال سے زائد کے عرصہ میں اس خانوادہ ختلی کے بزرگو نے بھی گویا سو سو سال سے زائد عمر پائی ہوگی تو اس لحاظ سے یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ شیخ کی وفات تک اس خانوادہ کی اسلام سے وابستگی تقریباً چار سو سال سے زائد اور پانچ سو سال سے کچھ کم مدت کو محیط ہوسکتی ہے اگر علامہ عبدالغور لاری اور ان کی پیروی میں مفتی غلام سرور لاہوری کی بات مان لی جائے (اور جس کے متعلق ڈاکٹر محمود عابدی کا کہنا ہے (۱۵) کہ ''چنداں از واقعیت ہم دور نباشد''۔

تو گویا وہ اپنے مرشد ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری متوفی ۳۷۱ھ سے ملے اور بیعت بھی ہوئے، پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہ ختلی ۴۵۳ھ میں ہی فوت ہو گئے تھے (اور ایک اندازہ کے مطابق ۳۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے) تو وہ گویا ۳۷۱ھ میں فوت ہونے والے اپنے استاذ و مرشد حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری، رحمۃ اللہ علیہ، سے تقریباً گیارہ بارہ سال کی عمر میں بیعت بھی ہو گئے اور ان سے سندِ حدیث بھی حاصل کر لی تھی، یہ بات کچھ انوکھی تو لگتی ہے مگر عقلاً محال اور ناممکن بھی نہیں (وایں ہم از واقعیت دور نباشد! (۱۶) واللہ اعلم بالصواب، والیہ المرجع والمآب! لیکن اس صورت میں دو اشکال بھی سامنے آتے ہیں ایک تو یہ کہ ۴۴۰ھ میں اسی سال سے زائد عمر والے شیخ محمد بن الحسن الختلی، رحمۃ اللہ علیہ، تازہ تازہ متعارف ہونے والے اور اس کے ساتھ ہی نئے نئے بیعت ہونے والے سیّد ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری، رحمۃ اللہ علیہ، کو اپنے پیر و مرشد کی صحبت، اور ان سے استفادہ اور استفاضہ کے لئے اور کئی بار شام کا سفر کرنے کے ان سے ملنے کے لئے تقریباً صرف تیرہ سال کی قلیل مدت میسر آئی ہوگی! (ولے ایں نیز از واقعیت دور نباشد! (۱۷))۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ صاحب ''اسرار التوحید فی مناقب الشیخ ابی سعید'' کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ ختلی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ (شیخ میہنہ کے اصحاب کو کچھ وصیتیں کرنے کے بعد) انہی قدموں پر بیت المقدس لوٹ گئے تھے، مگر بایں ہمہ دونوں، پیر و

Marfat.com

مرید (حضرت شیخ ختلی اور حضرت مرشدِ لاہور) بلادِ عجم کے دور دراز کے علاقوں کے اصلاحی و تبلیغی سفر پر آذربائیجان میں بھی نظر آتے ہیں، جہاں پر پیر و مرشد ٹھہرے ہوئے تھے اور مریدِ سعید حضرت داتا صاحب ان کی ملاقات کے لئے وہاں چل کر پہنچ گئے تھے (اور غالباً غزنی سے چل کر گئے) تو کیا پیرانہ سالی میں حضرت شیخ بیت المقدس سے چل کر آذربائیجان آئے ہوں گے؟! (ولے ایں ہم از واقعیت دور نباشد (۱۸)!)

کیا یہ سمجھنا زیادہ مناسب نہ ہوگا کہ شیخ میہنہ حضرت ابوسعید ابوالخیر، علیہ الرحمہ کے مزار پر ہونے والی ملاقات ان دونوں ''مرید و مرشد'' کی پہلی تعارفی اور بیعت والی ملاقات نہیں تھی بلکہ شاید حضرت سید ہجویر یہ شرف پہلے ہی حاصل کر چکے تھے اور آذربائیجان میں ملاقات کا واقعہ بھی بیعت کے بعد مگر میہنہ میں ملاقات سے پہلے کا ہے؟!

بہر حال اس تفصیل مگر بوجھل سی گفتگو کا مقصود اصلی یہ ہے کہ بیعت کے بعد محبّ و محبوب اور استاذ و شاگرد یا مرشد و مرید کے میل ملاقات اور استفادہ و استفاضہ کی مدت بہت زیادہ تھی اور واقعاتی شہادت بھی اس کی تائید کرتی ہے جیسا کہ آئندہ تفاصیل سے بھی اندازہ ہو جائے گا!

چوتھی صدی ہجری اسلامی دنیا میں تعلیمی ترقی اور علوم و معارف کی اشاعت کی صدی ہے، روما کے تاریک تہ خانوں میں جو یونانی علوم و معارف مقفل پڑے ہوئے تھے انہیں بعض عباسی خلفاء کی ذاتی دلچسپی سے نہ صرف آزاد کرا لیا گیا تھا بلکہ ان کے عربی تراجم کرنے کے بعد ان پر مزید اضافہ اور ترقی کی بنیادیں بھی رکھی جا چکی تھیں، عربی زبان و ادب......شعر و نثر...... نے بھی نئی کروٹ لے لی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسلامی علوم و معارف کے میدان میں بھی اہل علم اپنے اپنے مناصب سنبھال چکے تھے اور ان میں سے سرکردہ اہل علم انفرادی طور پر طالبان علوم و معارف کی توجہ کے مراکز بنے ہوئے تھے، دمشق و بغداد کے علاوہ عالم اسلام، عرب و عجم، میں ایسی درسگاہیں وجود میں آ چکی تھیں جہاں دور و نزدیک سے آنے والے اپنی

Marfat.com

اپنی علمی پیاس بجھانے کے بعد عالم اسلام کے کونے کونے میں اشاعت علوم و معارف کے لئے پھیل رہے تھے، دینی علوم...... تفسیر قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہ واصول فقہ...... پر لوگوں کی خصوصی توجہات مرکوز تھیں، درسگاہیں صرف تعلیم ہی نہیں دے رہی تھیں بلکہ تربیت اور تزکیہ نفوس کا سامان بھی کر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی روحانی تزکیہ اور اصلاح باطن کے لئے مستقل خانقاہیں بھی وجود میں آ چکی تھیں، علوم حدیث کے خصوصی چرچے تھے، محدثین کرام سیرت پاک اور دعائے خلیل اللہ علیہ السلام میں مذکور نصاب تربیت و تزکیہ نفوس کو بھی پیش نظر رکھتے تھے اور ان حضرات کی خصوصی توجہ کا مرکز بھی یہی تھا، صلحاء واتقیائے محدثین اسے منصب نبوت کا لازمہ تصور کرتے ہوئے زیرِ تعلیم و تربیت طلبہ کو بیک وقت عالم حدیث اور باکردار مصلح معاشرہ بنانا بھی واجب خیال کرتے تھے، اسی لئے بلاد عرب و عجم خصوصاً وسطی ایشیا کے لوگ علم حدیث کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ کی تربیت کے بھی امام بن کر نکلتے تھے، یوں ''صوفیہ محدثین'' کی جماعتوں کی جماعتیں ''بلغوا عنی ولو آیۃ'' (میری طرف سے پیغام پہنچاتے جاؤ خواہ ایک آیت کی تعلیم ہی کیوں نہ ہو!) پر عمل پیرا تھے شاید اسی لئے حضرت محمد الختلی کے علاوہ علوم وآداب کی تاریخ میں جتنے ختلیوں کے نام ملتے ہیں وہ سب راویانِ حدیث بھی ہیں اور صوفیہ صافیہ میں بھی شامل ہیں!

شیخ ابو الفضل محمد الختلی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر دمشق اور بغداد کے اصحاب کردار صوفیہ محدثین سے فیض علم و معرفت پایا، آپ کے اساتذہ و مرشدین میں سرفہرست شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم الحصری، رحمۃ اللہ علیہ، ہیں جو اپنے وقت میں عراق کے سب سے بڑے متصوف عالم حدیث تھے (۱۹)، لوگ انہیں استاذ اہل عراق اور لسان العراق مانتے تھے، حضرت ابوبکر شبلی سے بھی انہوں نے فیض پایا تھا ''وکان اوحد المشائخ ولسان الوقت'' (یعنی حصری مشائخ میں یکتا اور وقت کی آواز تھے!)

وہ اپنے تلامیذ و مریدین کو عملی تربیت دینے کے مواقع کی تلاش وجستجو میں بھی رہتے

Marfat.com

تھے، ایسا ہی ایک واقعہ خود شیخ الختلی نے اپنے تلمیذ و مرید خاص حضرت سید ہجویر و مرشدِ لاہور کو بھی سنایا تھا جسے انہوں نے کشف المحجوب (۲۰) کی زینت بھی بنا دیا ہے۔ اس واقعہ کی روح اور پیغام یہ ہے کہ دین میں بناوٹ اور ریا کاری کے بجائے اخلاصِ نیت اور سادگی معتبر ہے!

اس عہد میں اسلامی دنیا کی تعلیمی روایت یہ تھی کہ طلبہ نامور اساتذہ کی تلاش میں رہتے تھے اور ہر علم حتیٰ کہ علم الادب والعربیۃ بھی سند کے ساتھ روایت ہوتا تھا، دراصل یہ اثر اور نتیجہ تھا علوم حدیث کی روایت و تعلیم کے انداز کا، لوگ بڑے فخر سے یہ بتاتے تھے کہ ہم نے فلاں نامور استاذ سے یا فلاں شیخ الحدیث سے یہ علم حاصل کیا ہے یا فلاں درسگاہ میں پڑھا ہے جہاں فلاں نامور استاذ یا شیخ الحدیث بھی پڑھاتے ہیں، روایت حدیث میں تو ایسے شیخ پر لوگ ٹوٹ پڑتے تھے جس کی حدیث کی سند میں راوی کم سے کم ہوں یعنی رسول اللہ ﷺ تک رجال سند کم سے کم ہوں۔ ثلاثیات (جن میں صرف تین راوی ہوں، صحابی کے بعد تابعی اور پھر تبع تابعین میں سے کسی بزرگ کے واسطے سے سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے) اسی طرح رباعیات (چار راویوں والی حدیث) یا خماسیات (پانچ راویوں والی حدیث) سننے کے لئے لوگ دور دراز کے سفر بھی کرتے تھے، شیخ ختلی بھی چونکہ راویان حدیث میں سے بھی ہیں، ائمہ حدیث سے سنا اور پھر آگے (۲۱) روایت بھی کیا اس لئے طلبہ خصوصاً روایت حدیث کے لئے مشہور و معتبر شیوخ اور اساتذہ تک رسائی کے لئے تعلیمی سفر کرتے تھے۔ محدثین کرام کی ایک بہت بڑی تعداد اصحاب طریقت بھی ہوتے تھے اور علم کی روشنی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور باطنی تربیت بھی ہوتی تھی، شیخ کے اس روحانی سفر کی روائیداد تو محمد بن منور میہنی نے تفصیل سے بیان کی ہے جو انہوں نے بیت المقدس سے میہنہ تک کیا تھا اور جس کا مقصد صرف شیخ ابوسعید ابوالخیر سے ایک خواب کی رو سے اکتساب فیض (۲۲) تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ محمد الختلی رحمۃ اللہ علیہ شیوخ حدیث میں شمار ہونے کے علاوہ تفسیر قران کریم کے بھی ماہر تسلیم کیے گئے، چنانچہ تذکرہ نگاروں نے انہیں اپنے وقت کا مفسر اور

Marfat.com

محدث (۲۳) تسلیم کیا ہے! تاہم زہد و تصوف کے روحانی میدان میں وہ مرجع خلائق بن گئے تھے اور سفر و حضر میں لوگ ان کے آگے پیچھے رہتے تھے، عرب و عجم میں جہاں جاتے لوگ ان سے فیضیاب ہونے کے لئے پہنچ جاتے تھے (۲۴)، فقر و زہد کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت داتا صاحب رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم اور تابعین و تبع تابعین کی پیروی میں اونی اور سادہ لباس زیب تن کرتے تھے، کپڑوں کو پیوند لگانا پسندیدہ معمول تھا۔ حتیٰ کہ اکاون یا چھپن سال تک ایک ہی جبہ میں رہے اور اس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوتے تھے (۲۵)۔ ساٹھ سال تک کوہِ لُکام کی وادیوں میں ذکر و عبادت میں مصروف رہے، گوشۂ تنہائی میں دنیا دار حاجت مندوں کی نظروں سے دور یاد خدا میں وقت گزارا، یہ آدم بے زاری نہیں تھی بلکہ وہ صاحب کشف و کرامت ولی اللہ تھے اور دنیا دار انہیں تنگ کرتے تھے اور یہ کوئی انوکھی یا انہونی بات بھی نہ تھی، برصغیر میں بابا فریدالدین گنج شکر، رحمۃ اللہ علیہ، کی مثال ہمارے سامنے ہے، دہلی میں لوگوں نے پریشان کر دیا تو ہانسی تشریف لے گئے مگر دنیا دار یہاں بھی پہنچ گئے، یاد خدا میں مصروف رہنا جب مشکل ہو گیا تو وہاں سے بھی مجبوراً پنجاب آنا پڑا، کوٹھی والا ملتان سے ہوتے ہوئے اجودھن میں تشریف لا کر اسے پاک پتن کا رنگ دے دیا (۲۶)، شیخ ابوالفضل محمد الختلی، علیہ الرحمہ، کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا!

اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے ایسے پاک طینت و پاک باز بھی ہوتے ہیں کہ وہ مجسم فقر و رضا اور مستجاب الدعوات بن جاتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پاک کا مصداق ہوتے ہیں کہ "رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ" یعنی کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ (بلکہ لاڈلے) بندے ہوں گے جن کے بکھرے بال، غبار میں اٹے ہوئے ہوں گے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر اس سے کچھ مانگیں گے تو وہ ان کی پکار ضرور سنے گا اور ان کی قسم کو سچا کر دکھائے گا (۲۷)۔

یہ دراصل وہ سلسلہ زہاد و عباد ہوتا ہے جس کا نقطۂ آغاز سیدنا اویس قرنی، رضی اللہ عنہ، ہیں، سراپا اخلاص، طہارت، نیکی اور للہیت، حق سے حق کے لیے، سراسر خیر خواہی، ایثار و

Marfat.com

قربانی، عبادتِ ربانی اور خدمت انسانی میں سرتاسر مجذوب، جو ماں کی خدمت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت وعقیدت میں بے مثال تھے۔ اس لئے ان کا مستجاب الدعوات ہونا قدرتی بات تھی، لیکن ان کی اس حیثیت کا علم صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو تھا، بالکل حضرت اصحم بن ابجر نجاشی، رضی اللہ عنہ، کی طرح! یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے معاصر عشّاق اور سچے مومن تھے مگر رویت وزیارت اور صحابیت کے شرف سے غالباً محروم تھے، ایک اپنی ماں کی خدمت اور تیما داری کے باعث اور دوسرا خلقِ خدا کو عدل گستری کی نعمت اور سعادت مہیا کرنے (عدل گستری کی نعمت وسعادت میں سے حصہ پانے والے قریش کے مظالم کے ستائے ہوئے اصحاب رسول اللہ ﷺ بھی تھے!) کے باعث حاضر خدمت ہوکر شرفِ زیارت وصحابیت سے محروم رہے (اب ان دونوں کی یہ محرومی حسرت بن کران کے دلوں کو قیامت تک گرماتی رہے گی اوران دونوں کے درجات بلند ہوتے رہیں گے، ان شاء اللہ!) اس لئے نجاشی کے لئے زبانِ رسول ﷺ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کے ساتھ ساتھ غائبانہ نماز جنازہ کا شرف بھی حاصل ہوا (۲۸)، جب کہ سیدنا اویس قرنی، رضی اللہ عنہ، کے صدق واخلاص کی گواہی تو خود رسول اللہ ﷺ نے دی اور صحابہ کرام کو حکم فرما گئے کہ عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہما، ہی جا کر اویس سے ملیں گے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچانے کے بعد امت مسلمہ کی شفاعت کر کے بے حساب لوگوں کو بخشوانے کی دعا کرائیں گے۔ چنانچہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں فاروق ومرتضیٰ، رضی اللہ عنہما، اویس سے ملے تو پھر لوگ اسی طرح اس مستجاب الدعوات ہستی کے پیچھے بھی پڑ گئے، جس طرح بابا فرید (۲۹) اور شیخ ختلی کے پیچھے دنیا دار بھاگتے ہوئے نظر آئے!

حضرت شیخ ختلی، علیہ الرحمہ، ان زہاد صوفیہ میں سے ہیں جو کثیر العلم والمعرفۃ ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر الاسفار اور وسیع التجربہ بھی تھے، وقت کے عظیم القدر اولیاء اللہ کی زیارات اوران سے استفادہ کے ساتھ استفاضہ کے قائل بھی تھے اوراس پر عامل بھی رہے تھے، اس

Marfat.com

مقصد کے لئے آپ نے دور دراز کے سفر کیے، صعوبتیں برداشت کیں، یہ سلسلہ شباب و کہولت میں تو بہت طویل اور بکثرت رہا لیکن شیخوخت اور پیری میں بھی آپ نے جوانوں کی طرح بے دھڑک اور بے حساب سفر کیے، وہ اس معاملہ میں بھی مرشد لاہور کے قائد اور امام تھے۔ آپ نے بیت المقدس فلسطین یا شام سے چل کر میہنہ خراسان (اور آج کے ترکمانستان) تک حضرت ابوسعید ابوالخیر، شیخ میہنہ، کی زیارت کے لئے اپنی زندگی کا یادگار اور غالباً طویل ترین سفر کیا، اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید کے مصنف محمد بن منور میہنی نے حضرت ختلی کے اس طویل ترین یادگاری سفر کی تفصیل دی ہے (۳۰) جو دلچسپ تو ہے ہی مگر سبق آموز بھی ہے، میہنی کے بیان کے مطابق یہ تمام سفر انہوں نے پیدل طے کیا اور سواری ہونے کے باوجود بھی اسے استعمال نہیں کیا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے زائد ہو چکی تھی اور اس سفر کا سبب صرف ایک خواب تھا جس کی عملی تعبیر کے لئے شیخ ختلی کو پیری میں بیت المقدس سے میہنہ آنا پڑا، وہ لکھتے ہیں (۳۱):

> "شیخ بلفضل شامی مردی سخت عزیز و بزرگوار بوده است و از مشاهیر مشائخ متصوفه، و سیرهای بسیار کرده در جوانی، و در آخر عمر سالها مجاور بیت المقدس بوده."
>
> "یعنی شیخ ابوالفضل شامی (ختلی) بہت معزز اور بزرگوار شخصیت کے مالک تھے اور تصوف و طریقت کے مشہور صوفیوں میں سے تھے، جوانی میں آپ نے بہت سفر کیے جب کہ آخری عمر میں بیت المقدس کے مجاور بن گئے تھے یعنی اس کے سایہ کی پناہ میں آ گئے تھے!"

محمد بن منور میہنی کے اس بیان سے جہاں اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ عہد جوانی میں حضرت ختلی نے دور دراز کے بہت سفر کیے تھے وہاں اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عراق و شام کے لوگ تو آپ کو ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے نام سے یاد کرتے تھے مگر سنٹرل

Marfat.com

ایشیا میں آپ کے ہم وطن اہل خراسان یا ترکمانستان آپ کو "بلفضلِ شامی" کہتے تھے! آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال درسگاہ و خانقاہ کے نظام کے لئے وقف کر دیئے تھے جہاں متلاشیان علم و عرفان آپ سے تفسیر و حدیث کی تعلیم کے ساتھ زہد و تصوف کی تربیت بھی پاتے تھے چنانچہ استفادہ و استفاضہ (یا افادہ و افاضہ) کا سلسلہ ایک ساتھ جاری رہتا تھا!

حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کی ایک خانقاہ میں مقیم تھے، جہاں آپ کے مریدین صوفیہ کا ایک حلقہ تھا جو آپ سے صبح و شام علمی فائدہ کے ساتھ ساتھ روحانی فیض بھی حاصل کرتے تھے، ایک رات آپ اپنے مریدوں کے ساتھ خانقاہ میں سو رہے تھے، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ میہنہ ابو سعید ابو الخیر گل قند کا ایک تھال اٹھائے خانقاہ میں داخل ہوتے ہیں اور مریدین میں گل قند بانٹنے لگتے ہیں جب شیخ ابو الفضل تک نوبت آئی تو تمام بقیہ گل قند ان کے منہ میں ڈال دی! -

شیخ ختلی بیدار ہوئے تو ان کا منہ گل قند سے بھرا ہوا تھا، یوں خواب حقیقت میں بدل گیا، شیخ نے مریدین کو جگایا، خادم کو آواز دی چراغ روشن ہو گئے، حضرت ختلی نے وہ گل قند اپنے مریدوں میں بانٹ دی، پھر پاک صاف ہو کر لباس زیب تن کیا اور اعلان فرمایا (۳۲):

"صلای زیارت شیخ ابو سعید بلخیر بہ میہنہ یعنی میہنہ میں شیخ ابو سعید ابو الخیر کی زیارت کے لئے صلائے عام ہے!"

چنانچہ مریدین کی ایک خاص تعداد سفر میں مرافقت کے لئے تیار ہو گئی، اس جماعت نے یہ سفر پیدل طے کیا اور بیت المقدس سے میہنہ پہنچے تو پتہ چلا کہ شیخ میہنہ کا تو وصال ہو چکا ہے کچھ دن قیام کے بعد جب یہ جماعت واپس بیت المقدس جانے لگی تو شیخ ختلی نے ابو سعید ابو الخیر کے بیٹوں کو بلایا اور انہیں قیمتی وصیتیں کیں اور مشورے دیتے ہوئے فرمایا (۳۳)!

"شمارا وصیت می کنم تا حرمتِ این بقعه وحق این تربت بزرگوار چه گو نه نگاه دارید که شما نمی دانید

Marfat.com

که چه دارید و قدر ایں نعمت نمی شناسید!!“

”یعنی میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اس جگہ اور اس بزرگ کی تربت کا تحفظ و احترام کرنا ہے، آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے پاس کیا ہے اور آپ اس نعمت کی قدر نہیں جانتے!“

ان بیانات واقتباسات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ:

۱۔ شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی اہل شام اور اہل خراسان کس قدر عزت کرتے تھے، احباب کی جماعت اس سفر کے لئے تیار ہوگئی اور شیخ ابوالخیر کے بیٹے کس اہتمام اور توجہ سے ان کی نصیحت سن رہے تھے۔

۲۔ حضرت ختلی نہ شام سے آئے تھے نہ شام واپس گئے بلکہ بیت المقدس فلسطین سے آئے اور انہی قدموں پر واپس وہیں چلے گئے،اس واپسی کے سفر میں مرشدِ لاہور نظر نہیں آئے۔لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت داتا صاحب کشاں کشاں شیخ کے ساتھ شام روانہ ہو گئے تھے کچھ معقول نہیں لگتا!

۳۔ حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں بیت المقدس کے اس سفر کا تذکرہ نہیں کیا جس سے یہ اندازہ کرنا بھی معقول بات ہے کہ وہ اس سفر میں اپنے مرشد کے ساتھ شریک ہی نہ تھے! ورنہ بیت المقدس کی زیارت کا شرف اتنا اہم واقعہ ہے جس کا ذکر کشف المحجوب میں ضرور ہوتا!

فاضل ایرانی سکالر ڈاکٹر محمود عابدی نے کشف المحجوب کے اپنے محققانہ طہرانی ایڈیشن کا جو عالمانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے وہ بڑا ہی وقیع ،معلومات افزا اور بلند افکار سے لبریز بلکہ فکر انگیز ہے،لیکن ان کی فاضلانہ تعلیقات اور تشریحی شذرات تو بے اندازہ مفید اور بے حد قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں اور فکر و تحقیق کے لئے نئے سے نئے دروازے کھولتی چلی جاتی ہیں،اس لئے حضرت داتا صاحب کے علمی کارنامے ”کشف المحجوب“ سے دلچسپی رکھنے والے

Marfat.com

تمام اہل نظر و بصیرت کو اس ایرانی ایڈیشن کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے اور اس ایرانی صاحب قلم کو متشکرانہ خراج تحسین بھی پیش کرنا چاہیے۔

لیکن ڈاکٹر عابدی صاحب نے اپنے عالمانہ مقدمہ میں حضرت داتا صاحب کی اپنے پیر و مرشد سے وابستگی، استفادہ اور وابستگی کی مدت اور پھر حضرت ابوالفضل ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کے احوال و آثار پر گہری نظر ڈالنے کے بعد ان کی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ گہرے غور و تامل کے ساتھ مطالعہ کا تقاضا کرتا ہے، یہ نقشہ اس مقدمہ کے صفحات چہاردہ و پانزدہ پر مشتمل ہے (۳۴)، یہ نقشہ مختصراً یوں ہے کہ: ۴۴۰ھ میں شیخ میہنہ حضرت ابوسعید ابوالخیر کے مزار پر مرشد و مرید کی اتفاقیہ ملاقات ہوئی، دونوں میں چونکہ تجرد کی آزادانہ زندگی اور سیر و سیاحت میں رغبت اور وابستگی کی مماثلت و مشابہت کی مشترکہ قدر موجود تھی۔ اس لئے قدرتی باہمی کشش کے باعث حضرت داتا صاحب حضرت ختلی کے ہمراہ کھنچے کھنچے شام کے لئے چل پڑے تھے، رستہ میں ہی آذر بائیجان میں دنیا پرست صوفیوں کو دیکھا اور شعر سن کر جان دینے والے دیوانے درویش کا منظر بھی سامنے آیا، اس کے بعد بیت الجن میں اپنے مرشد کی وفات تک داتا صاحب شام ہی میں رکے رہے، واپسی پر بغداد سے گزر ہوا تو حلاج کے گمراہ پیروکاروں سے ملے اس کی بعض کتابیں بھی دیکھیں اور پھر سیدھے خراسان واپس چلے گئے، جہاں حضرت ابوالقاسم کرگانی، ابوالعباس شقانی، مظفر حمدان اور ابوالقاسم قشیری سے ملاقات، صحبت اور استفادہ کا شرف حاصل کیا............!

اگر ہم ڈاکٹر عابدی صاحب کی اس رائے اور اس فاضلانہ استنتاج کو مان لیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ:

۱۔ گویا شیخ ابوالفضل ختلی کے علم و فضل کی شہرت اور پیر و مرید کی عملی زندگی میں گہری مماثلت ہی مرشد لاہور کے لئے کشش کا باعث تھی اور بس! عقیدت، محبت ا[ور] روحانیت وغیرہ کچھ بھی نہ تھا!

Marfat.com

۲۔ جس شیخ ابوالفضل کی عمر شیخ میہنہ متوفی ۴۴۰ھ کے مزار پر حاضری کے وقت اسی سال سے زائد تھی اور جن کی وفات مفتی غلام سرور لاہوری کے قول کے مطابق ۴۵۳ھ میں اور امام شمس الدین ذہبی کے مزعومہ قول کے مطابق ۴۶۰ھ میں ہوئی (۳۵)، اس طرح گویا شیخ ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، میہنہ میں شیخ ابوسعید ابوالخیر کے مزار کے دیدار کے بعد تیرہ یا بیس سال زندہ رہے۔

۳۔ محققین کے قابل ترجیح اندازہ کے مطابق حضرت مرشدِ لاہور کی تاریخ پیدائش چار سو ہجری یا چار سو ایک ہجری کا سال ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ۴۴۰ھ میں شیخ میہنہ کے مزار پر اپنے مرشد سے ملاقات کے وقت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان، رحمۃ اللہ علیہ، چالیس سال کے ہو چکے تھے!

یوں تو چالیس کا عدد سامی مذاہب یا شرائع سماویہ میں امتیاز، تقدس اور خصوصیت کا حامل ہی ہے۔ عطائے نبوت کے لئے بھی چہل سالہ عمر کو ملحوظ رکھا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ چالیس دن، چالیس ہفتہ، چالیس ماہ اور چالیس سال کا عرصہ اس مادر گیتی یا اس پر آباد خلق خدا کو نئی قوت، نئی صحت، نیا قدم اور نیا جذبہ عمل عطا کرنا ایک معمول فطرت اور قدرت ربانی کا اصول ہے۔ چالیس سال کی عمر کا مرحلہ عقل سلیم کی پختگی اور شعور کی جوانی کا مرحلہ بھی ہوتا ہے، اسی لئے نبوت و رسالت کی بوجھل ذمہ داری اٹھانے کے لئے قدرت خداوندی اور شریعتِ ربانی نے اسے ہی مناسب اور موزوں مرحلہ سمجھا ہے!

بلبل شیراز حضرتِ شیخ سعدی شیرازی، علیہ الرحمہ، کو بھی اس غافل، تساہل پسند اور لاپرواہ انسان پر تعجب ہے جو عمر کے چالیس سال بیت جانے کے بعد بھی نہ بدلے اور ہوش میں نہ آئے (خواہ وہ خود بلبل شیراز ہی کیوں نہ ہوں؟!) چہ جائیکہ داتا پیر جیسے ولی کامل کے متعلق یہ بدگمانی پیدا ہو اور یہ سمجھا جائے کہ خدانخواستہ وہ چالیس

Marfat.com

سال کے بعد بلکہ بیعت صوفیانہ کے بعد بھی ''نخوت کودکی و آتش جوانی'' سے باہر نہ آسکے اور ڈاکٹر عابدی صاحب کو بھی یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ''ہنوز از نخوتِ کودکی و آتشِ جوانی غروری و گربایی داشت!''، ڈاکٹر صاحب نے بلبل شیراز کا یہ نغمہ تو ضرور سنا ہوگا کہ:

چهل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی نگشت

۴۔ چالیس سالہ سید ہجویر و مرشد لاہور اپنی عمر کے تقریباً تیرہ سے بیس سال تک گویا شام ہی میں رکے رہے اور تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد بغداد کے رستے خراسان لوٹ گئے!؟

۵۔ پھر ساٹھ سال کی عمر میں از بیعت کے باوجود سید ہجویر و مرشد لاہور شیوخ خراسان سے استفادہ اور استفاضہ کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں، گویا چالیس سال کی عمر تک، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عطائے نبوت و رسالت کی عمر بھی ہے، اس عمر تک حضرت داتا صاحب علمی اور روحانی مراحل طے کر کے ابھی بھی ناپختہ تھے اور مکمل نہ ہو سکے تھے اسی لئے چالیس سال بعد انہیں ایک ایسے بزرگ سے بیعت ہونے کا خیال آیا جو خراسان کے رہنے والے اور شہر ختل کے باشندے تھے اور انہی کی طرح تجرد پسند اور سیلانی تھے، انہوں نے بھی اپنے مرشد کی طرح بغداد، دمشق اور بیت المقدس کے مدارس اور خانقاہوں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔

جب کہ یہ ثابت ہے کہ مرشدِ لاہور اپنے عنفوان شباب میں حصول علم اور صحبت شیوخ کے لئے شام و عراق میں رہتے رہے تھے جہاں کچھ کاروبار سے رزق حلال کما کر فقراء و محتاجین کی ضرورتیں پوری کرتے تھے مگر لوگ انہیں تنگ کرنے لگے تھے اس لئے شیخ ابوالفضل ختلی نے خود یا کسی اور نے ازراہِ محبت و ہمدردی حضرت داتا صاحب کو دنیا اور دنیا داروں سے

Marfat.com

الجھنے سے منع کرتے ہوئے ایک خط لکھا تھا اور اس کام سے منع کیا تھا؟! مگر اس طویل قیام کے دوران میں تیسری صدی ہجری میں بغدادیوں کی جہالت اور ان کے ظلم کے سبب سولی چڑھنے والے منصور حلاج کے متعلق معلومات نہ حاصل ہو سکی تھیں اور ان کے پیروکاروں سے داتا صاحب کی واقفیت اور ملاقات بھی نہ ہو سکی تھی؟! مگر پھر ساٹھ سال کی عمر میں شیوخ خراسان سے استفادہ اور استفاضہ کی ٹھان لیتے ہیں تا کہ شیخ خراسان ابوالقاسم علی الکرکانی کی زبانی یہ سن سکیں (۳۶) کہ:

''ای پسر! آدمی را، بااین طریقت، نسبت بیش از این نیست که چون وی را بر طریقت باز بندد پندارِ یافتِ آن بگیردش، و چون از آن معزول کنندش به عبارت پندارش برسد! پس نفی و اثبات و فقد و وجود وی هر دو پندار باشد، و آدمی هرگز از بندِ پندار نرهد، وی را باید که درگاه بندگی گیرد و جمله نسبتها از خود دفع کند، بجز نسبت مردمی و فرمان برداری''

''یعنی بیٹا! شروع میں انسان کو اس طریقت کے ساتھ اس سے زیادہ اور کوئی نسبت نہیں ہوتی جب اسے طریقت پابند کر دیتی ہے تو کچھ پالینے کا غرور اسے آلیتا ہے اور جب اسے اس سے معزول کر دیتے ہیں یا ہٹا دیتے ہیں، تو اس کی خود پسندی ظاہر ہونے لگتی ہے، اب نفی ہو یا اثبات، عدم ہو یا وجود ہر بات میں اس کی خود پسندی ہی جھلکنے لگتی ہے، اس طرح انسان اپنے غرور اور خود پسندی سے باہر نہیں آ سکتا، انسان کو چاہیے کہ بندگی کا مقام اپنائے تمام حیثیتوں کو ٹھکرا دے اور صرف بندگی اور فرماں برداری کی راہ ہی اپنائے رکھے!''

Marfat.com

اس نہلے پر عابدی صاحب اپنا دہلا مارتے ہوئے فرماتے ہیں (۴۷):

"ھجویری روزی که به حلقهٔ مریدان ابو القاسم کرکانی در آمد هنوز از نخوت کودکی و آتشِ جوانی غروری و گرمایی داشت"

یعنی جب ہجویری ابو القاسم کرکانی کے حلقہ مریدان میں داخل ہوئے تو ابھی تک بچپنے اور آتش جوانی کی خود پسندی اور تپش میں مبتلا تھے۔"

سوال یہ ہے کہ مرشدِ لاہور عمر نبوت و رسالت کے خدائی عرصہ یعنی چالیس سال سے بھی آگے جا چکے تھے تو بقول ڈاکٹر عابدی تب کہیں جا کر وہ مرشد کو دریافت کر پائے اور چونکہ تجرد و رغبت سیاحت میں شیخ ختلی بھی مرشد لاہور کی مانند اور ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ اور ہم پلہ و ہم سر تھے۔ لہٰذا مرشد لاہور ان کے ساتھ شام چلے گئے اور ایسے گئے کہ بیت الجن میں ان کی وفات تک ان کے ساتھ رہے اور جب بغداد کے رستے خراسان جانے کے لئے واپس ہوئے تو "ہنوز کودک شصت سالہ بود!" اور یہی ساٹھ سالہ کودک یا چھوٹو! ایک قول کے طابق ۴۶۵ھ میں ساٹھ سالہ کودکی میں ہی معاذ اللہ! واصل باللہ ہو گئے!

حضرت ختلی خراسان یا سنٹرل ایشیا (اور آج کے تاجکستان) کے رہنے والے تھے، عرب انہیں "ابو الفضل الختلی" کہتے تھے، مگر وہ جب خراسان و ایران یا سنٹرل ایشیا میں جاتے تو لوگ انہیں "بلفضل شامی" کہتے تھے، مرشد لاہور سادات بنی ہاشم میں سے تھے اور خالص عربی تھے مگر ان کے آباو اجداد خراسان (آج کے افغانستان) کے شہر غزنی یا غزنین میں آباد ہو گئے تھے اس لئے حضرت ختلی اور حضرت مرشد لاہور کا ایک دوسرے سے واقف ہونا معقولات و ممکنات میں سے ہے یا کم سے کم نا معقول و ناممکن تو ہرگز نہیں ہے۔

چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری اہل تصوف و طریقت کے پر جوش عروج کی صدیاں بھی ہیں، اللہ کے یہ نیک بندے خلقِ خدا کی خدمت و ہدایت کے لئے کمربستہ ہو چکے

Marfat.com

تھے اور اسلامی اخوت و مساوات اور عدل و امن کا پیغام مصطفوی، علی صاحبہ السلام، لے کر اور اسلام کے سفیر و مبلغ بن کر رواں دواں تھے، اہل طریقت کی خانقاہیں اور درسگاہیں سب کے لئے کھلی ہوتی تھیں، ہر صوفی کو یہ پتہ ہوتا تھا کہ کون سا چراغ ہدایت کہاں اپنی ضوفشانی کر رہا ہے، پھر جس بغداد اور دمشق کے علمی و روحانی سرچشموں سے ختلی سیراب و فیضیاب ہوئے تھے وہ سب مرشدِ لاہور کی بھی رسائی میں تھے، عراق و شام کے سب لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اوتاد و ابدال کی طرح کوہِ لکام کی وادیوں میں یاد خدا اور تقرب الی اللہ کے لئے سرگرداں رہتے ہیں تو کیا یہ جذبوں اور ہمتوں کے مالک مرشد و مرید ایک دوسرے سے آگاہ ہونے یا ملنے کے قابل نہ تھے؟ وہ سید ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی جس نے افضل واحسن کی تلاش میں اسلامی دنیا کی تمام خانقاہیں اور درسگاہیں چھان ماری تھیں مگر بوسہ زن ہونے کے قابل کوئی آستاں ہی نظر میں نہ جچا تھا ختل و شام کے ایک زاہد کو دیکھتے ہی ان کے قدموں میں گر گئے اور پھر ان کے پیچھے یونہی کھنچے چلے گئے تھے؟ تاکہ بیت الجن میں ان کا جنازہ پڑھ کر مدفن دیکھ کر پھر سے خراسان کے صوفیاء کرام کے آستانوں پر چکر لگانے اور ساٹھ سالہ کودکی کا ریکارڈ قائم کرنے کے لئے پہنچ جائیں؟!

پھر ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ حضرت شیخ ابوالفضل ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوسعید ابوالخیر کی زیارت کے لئے بیت المقدس کی ایک خانقاہ سے اپنے احباب کے ہمراہ میہنہ تشریف لائے تھے اور پھر اپنے انہی احباب کے ہمراہ بیت المقدس لوٹ گئے تھے، اس کی صراحت صاحب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ (۳۸) ابی سعید نے بھی کی ہے، دمشق تو وہ گئے ہی نہ تھے، تو پھر ان کے ہمراہ داتا صاحب کا شام کا رخ کر لینا سمجھ سے باہر ہے!؟

اگر ڈاکٹر محمود عابدی صاحب اجازت فرمائیں تو حضرت ختلی علیہ الرحمہ کی حیات مستعار اور ان سے مرشد لاہور کی علمی و روحانی وابستگی کا ایک نقشہ ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوالفضل محمد الختلی کی اصل اور آپ کا آبائی وطن و مسکن شہر ختل یا

Marfat.com

علاقہ ختلان تھا جو عرب جغرافیہ نویسوں کی زبان میں بلخ کے آس پاس، ماوراء النہر، دریائے جیحون یا آمو دریا کے اس طرف تھا مگر وہ یا ان کے بزرگ ختل سے عراق و شام کے خطے میں آ کر آباد ہو گئے تھے، حضرت محمد بن الحسن ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، نے بغداد و دمشق کے علمی اور ثقافتی مراکز میں تعلیم کے ساتھ تربیت بھی حاصل کی تھی اور پھر وہ بغداد کے خطیب یا لسان العراق صوفی محدث یا محدث صوفی حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری علیہ الرحمہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے، نہ صرف یہ کہ ان سے حدیث کی سند لی بلکہ تصوف و طریقت میں بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور تزکیہ و تربیت کے مراحل سے گزرے، تفسیر و حدیث کی تدریس ان کا میدانِ تخصص تھا مگر زہد و تقویٰ اور کشف و کرامت میں صاحب کمالات تھے، دنیا دار حضرت ختلی کے درپے رہتے تھے اور وہ ان سے یوں بھاگتے تھے جس طرح چشتیِ پنجاب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، رحمۃ اللہ علیہ، ایسے ہی دنیا داروں سے تنگ آ کر دلی سے ہانسی، ہانسی سے کوٹھی وال ملتان اور پھر وہاں سے چھپ چھپا کر پنجاب کو چشتی رنگ میں رنگنے کے لئے پاکپتن آ گئے تھے! حضرت داتا صاحب عنفوان شباب ہی میں قیام عراق کے دوران میں ہی شیخِ ختل و شام کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے اور اس دوران میں مرشد و مرید کے درمیان نامہ و پیغام بھی جاری رہا اور دونوں نے ایک ساتھ بلاد عرب و عجم کے تبلیغی و اصلاحی دورے بھی کیے، اسی ضمن میں حضرت ختلی کے اپنے وطن اول اور اپنے مرید سید ہجویر کے وطن ثانی خراسان و سنٹرل ایشیا کے دورے بھی شامل ہیں! داتا صاحب نے شیوخ خراسان سے استفادہ و استفاضہ یقیناً کیا تھا۔ مگر یہ بات بیت الجن میں ان کے پیر و مرشد حضرت ختلی، علیہ الرحمہ، کے وصال کے بعد کی بات نہیں ہے کیونکہ مرشدِ لاہور تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں شام سے لوٹے تھے اور کودکی یا بچپن والی باتیں بہت پہلے کی ہیں جب وہ عہد مراہقت اور عنفوان شباب میں زاہدانہ جوش و جذبہ رکھتے تھے، یہ زمانہ وہ ہے جب داتا صاحب اس کوشش میں تھے کہ مراحل جستجو جلد سے جلد ختم ہوں اور منزل حضور ربانی کا شرف نصیب ہو جائے، اس مرحلے میں وہ خراسان کے سینکڑوں

Marfat.com

صوفیائے کرام اور علمائے عظام سے استفاضہ اور استفادہ کے لئے نکلے تھے، وصلِ ربانی کی منزل شوق کے لئے وہ بہت بے چین و بے قرار رہتے تھے، ان کی تلاش حق کی یہ سرگرمیاں صرف خراسان کے شیوخ و اساتذہ تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ تو بلاد عرب و عجم کی درسگاہوں اور خانقاہوں میں بھی سرگرداں رہے اور کسی صاحب کمال تک رسائی کے لئے کوشاں رہے، اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ شام کے علاوہ خراسان میں بھی دوران اسفار حضرت ختلی سے ملتے رہے ہوں گے اور ان کے کمالاتِ کشف و کرامت، ہیبت و جلال اور صدق و صفا کے طفیل اطمینان قلب اور دولت یقین حاصل ہونے کے بعد ان کے آستان پر بوسہ زن بھی ہو گئے ہوں گے؟! زاہد اور صوفی کی تگ و دو جب رنگ لاتی ہے تو پیر کامل میسر آ ہی جاتا ہے، صوفی و زاہد کے لئے اقبال کی توقع اور تلقین بھی تو یہی ہے کہ:

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

ہمارے سچے اور سُچے صوفیائے کرام کا ضابطۂ حیات اور دستورِ عمل کتاب و سنت کے سوا کچھ اور نہیں، اس لئے وہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنی مجالس ذکرِ و فکر اور تزکیہ و تربیت کے علاوہ مشاورت باہمی، تبادلہ افکار و خیالات کا وہ عمل بھی جاری رکھیں جو سورہ العصر میں مومنین صالحین کے لئے دیا گیا ہے کہ ایمان و عمل صالح کے بعد تواصی بالحق اور تواصی بالصبر یعنی حق کی راہ میں ثابت قدمی اور صبر و استقلال کی باہمی تلقین جاری رہے چنانچہ سید ہجویر اور مرشدِ لاہور نے اپنے مرشد کے وصال حق کے بعد اپنے وقت کے ائمہ زہد و طریقت سے روابط و ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رکھا لیکن یہ کود کی کا مظاہرہ ہرگز نہ تھا!

مگر اس کے برعکس ایران کے نامور محقق ڈاکٹر محمود عابدی کا خیال ہے کہ سید ہجویر و مرشدِ لاہور کی اپنے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل الختلی الشامی سے پہلی ملاقات اور تعارف ۴۴۰ھ میں اس وقت ہوئی۔ جب وہ اپنے ایک خواب کے نتیجہ میں اپنے احباب کے ہمراہ

Marfat.com

بیت المقدس میں ایک خانقاہ سے میہنہ میں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے مگر وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ شیخ میہینہ کا تو وصال ہو چکا ہے، شیخ ختلی کی عمر اس وقت اسی سال سے زیادہ ہو چکی تھی (۳۹)، اگر ڈاکٹر عابدی صاحب کی اس رائے کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تعارفی ملاقات اور بیعت کے بعد حضرت داتا صاحب کو اپنے مرشد سے تعلقات اور صحبت و رفاقت کے لئے ایک قول کے مطابق صرف تیرہ سال اور دوسرے اندازے کے مطابق صرف بیس سال کا عرصہ میسر آیا مگر ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے، ہماری رائے میں مرشد و مرید کے تعلقات اور صحبت و رفاقت کے مواقع کے لئے یہ عرصہ بیس سال سے بھی کہیں زیادہ ہے اور کم سے کم چالیس سال کا عرصہ تو ضرور تھا جس کے دوران میں مرشدِ لاہور کو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے متعدد بار سفرِ شام پیش آیا اور مرشد و مرید کو "سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ" کے حکم ربانی اور سیاحتِ جہان کو جہاد کے مترادف سمجھنے کے حکم نبوی، علی صاحبہ السلام، پر عمل کرتے ہوئے بلاد عرب و عجم میں سفیر و مبلغ اسلام بن کر مشترکہ اسفار کے بھی متعدد مواقع ملے!

میہنہ میں ہونے والی ملاقات کے سلسلے میں یہ (۴۰) صراحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ مرشد و مرید کی واقعی پہلی تعارفی ملاقات تھی اور نہ کہیں اس بات کی نفی ہے کہ اس سے پہلے یہ دونوں بزرگ کبھی نہیں ملے تھے؟! بلکہ اس بات کا بھی ذکر نہیں کہ یہ اتفاقیہ ملاقات تھی بھی یا نہیں بلکہ داتا صاحب موقع پر وہاں آئے بھی تھے یا نہیں؟ صرف اندازہ ہے کہ یہ اتفاقیہ اور پہلی تعارفی ملاقات تھی، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مرشد نے مرید کو روحانی یا ظاہری اطلاع دی ہو یا مرید کو معلوم ہوا ہو کہ شیخ بیت المقدس سے چل کر میہنہ تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے سید ہجویر و مرشدِ لاہور میہنہ میں حاضر ہو گئے تھے؟! یا شاید داتا صاحب وہاں گئے ہی نہ ہوں بلکہ یہ عابدی صاحب کا وہم ہو؟!

اس سے پہلے بلاد عجم میں مرشد و مرید کا اجتماع بھی ثابت ہے کیونکہ حضرت شیخ وسطی

Marfat.com

ایشیا کے علاقے آذربائیجان میں تبلیغ و اصلاح احوال کے سفر پر تھے اور آذربائیجان میں مقیم تھے جہاں سید ہجویریان کی زیارت کے لئے گئے تھے، تصوف کو ذریعہ معاش بنانے والے پیشہ ور اور گداگر صوفیوں پر تنقید فرمائی تھی جو ایک کھلیانہ پر دانہ مانگنے کے لئے اپنی گودڑیوں کے دامن پھیلائے کھڑے تھے اور شیخ نے آیت قرآنی پڑھتے ہوئے ان خسارہ کا سودا کرنے والے گندم نما جو فروشوں کے حرص پر افسوس کا اظہار کیا تھا (۴۱)، یہ سفر اسی سال سے زیادہ کی عمر کے بعد کا سفر نہیں تھا، بلکہ یہ اصلاحی و تبلیغی سفر تھا جو مرشد و مرید ایک ساتھ کیا کرتے تھے، کیونکہ داتا پیر کا فرمان یہ ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ تھے اور آذربائیجان میں ان کی زیارت کے لئے گئے تھے، تعارفی ملاقات اور بیعت کے مراحل کہیں پہلے گزر چکے تھے، اس موقع پر تو مرید اپنے مرشد سے طالبعلمانہ اور بے تکلفانہ سوال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں! دور دراز کا یہ پر مشقت سفر اسی سال کی عمر کے بعد کا نہیں ہو سکتا جب کہ مرشد و مرید اس سفر سے بھی پہلے سے متعارف نظر آتے ہیں اور حالات یہ بتاتے ہیں کہ عمر کے آخری پندرہ بیس سال شیخ ختلی نے دمشق و بیت المقدس کی خانقاہوں، کوہِ لکام کی وادیوں اور بیت الجن کے گوشہ عافیت میں گزارے تھے، آخری عمر کے ان سالوں میں آذربائیجان جیسے دور افتادہ وسطی ایشیائی ملکوں میں اصلاح و تبلیغ کا سفر ناممکن نہ سہی مشکل تو ضرور تھا، خصوصاً جب کہ دمشق، القدس الشریف اور بیت الجن میں مجالس علم وعرفان اور وعظ و ذکر کی افادیت و ضرورت زیادہ تھی! قرآن و حدیث اور ان کے علوم کا ماہر عالم و معلم ان کی تعلیم اور تدریس کے لئے اپنے آخری ایام زندگی کو مختص کر دیا کرتے ہیں! کیا عجب کہ شیخ کی وفات کے وقت ایک مستعد شاگرد قرآن و حدیث کے دروس و اسباق کے لئے بیت الجن گیا ہو اور استاذ و مرشد کی دم واپسیں کے وقت کی خدمت مرشد لاہور کے لئے مقدر ہو چکی تھی! کہنا اصل میں یہ ہے کہ استاذ و مرشد سے استفادہ و استفاضہ ایک مسلسل عمل تھا اور اس کی مدت بھی بہت طویل تھی! جبھی تو کشف المحجوب کے صفحات شیخ ابوالفضل الختلی الشامی کے افادات، ارشادات اور کمالات سے

Marfat.com

لبریز نظر آتے ہیں (۴۲)!

حضرت داتا پیر بیت الجن سے دمشق کے لئے ایک اوتادِ کوہِ لکام اور شام کے ایک صوفی محدث کے سفر کی روداد رقم کرتے ہیں، کہ پھوار برس رہی ہے، راستے سرتا سر کیچڑ ہی کیچڑ ہیں، ایسے میں نزیل بیت الجن کاروانِ علم وعرفان کی قیادت کر رہے ہیں، سب راہی یہ دیکھ کر محو حیرت ہیں کہ نہ تو شیخ ختل وشام کا دامن تر ہو رہا ہے اور نہ کیچڑ جوتوں کو آلودہ کر رہا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ تعجب وحیرت میں گرفتار تلامیذ ومریدین میں سے کوئی سوال کے لئے اپنی زبان کھولے صاحب کشف وکرامت اوتادکوہِ لکام اور مرشدِ لاہور کی عقیدتوں اور محبتوں کا قبلہ ومرکز شیخ محمد الختلی بول اٹھتا ہے کہ جب سے میں نے اپنی باگ ڈور توکل علی اللہ کے سپرد کی ہے اس وقت سے میری حفاظت کا ذمہ میرے رب نے لے لیا ہے کیونکہ وہ اپنے اولیاء کو خوف وحزن سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرما چکا ہے (۴۳)! اس واقعہ کے بہت سے مضمرات میں سے تین چار باتیں خصوصی توجہ کی طالب اور بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ شیخ کی قوت ونشاط اور سرگرمی کم سے کم اس بات کو تو یہاں عیاں کر رہی ہے کہ وہ اپنی ادھیڑ عمر اور پچاس ساٹھ سال کے پیٹے میں ہیں اور سب سے آگے آگے ہیں!

۲۔ کوہ لکام کے ابدالوں کی صحبت میں رہنے والا ولی کامل شیخ ابو الفضل الختلی الشامی، رحمہ اللہ، ولایت ربانی اور توکل کے اعلیٰ درجات سے نوازے جا چکے ہیں اور صاحب نظر لوگوں کو اس کی علامات واضح طور پر دکھائی دے رہی ہیں!

۳۔ اپنے شیخ کے کشف وکرامت کو دیکھ کر تلامیذ ومریدین کو تسلی بخش یقین ہو جاتا ہے کہ انہوں نے جس مرشد کا دامن پکڑا ہے وہ انہیں منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے چنانچہ کشف المحجوب جیسے زندہ صحیفہ تصوف کا مصنف ولی کامل اس واقعہ سے اپنی کتاب کو مزین کرنا نہیں بھولتا!

۴۔ اور یہ سب کچھ جہاں مرشد ومرید کی طویل رفاقت اور صحبت کا غماز ہے وہاں یہ

Marfat.com

باہمی محبت، حسن عقیدت، اخلاص عمل اور یقین کامل پر بھی دلالت کرتا ہے!

حضرت داتا پیر نے اپنے پیر و مرشد کے متعلق یہ بات بڑی صراحت اور انتہائی وثوق کے ساتھ بارہا ذکر فرمائی ہے کہ حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی سادہ لباس میں اور ہر کام میں بے حد سادگی پسند کرتے تھے، تکلف و تصنع سے متنفر و بے زار تھے، آپ ظاہری صوفیانہ لباس اور بناوٹ کا مظاہرہ کرنے والوں سے شدید اعراض کرتے تھے اور ایسے ریاکاروں کو دھتکار دیا کرتے تھے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرشد لاہور نے حضرت ختلی کی اس سادگی، مکار و ریاکار صوفیوں سے اعراض کے مناظر کب کب اور کہاں کہاں دیکھے ہوں گے اور کتنی بار دیکھے ہوں گے؟ ایک آدھ مرتبہ کا مشاہدہ اتنے عظیم مفکر صوفی اور جلیل القدر مصنف کو یہ قطعی اور مطلق فیصلہ دینے اور پختہ رائے قائم کرنے پر کیسے اور کیونکر آمادہ کرسکتا ہے؟ یہ بھی قریبی مشاہدہ، طویل مصاحبت، یقینی معلومات اور گہری واقفیت کا تقاضا کرتا ہے اور مرشد لاہور اور پیر ختل کے باہمی تعلقات یہ تمام تقاضے پورے کرتے تھے!

شیخ ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری جلابی غزنوی لاہوری جیسا دیدہ ور اور جہاں دیدہ مفکر و مصنف کسی کی ہیبت اور رعب و جلال سے آسانی کے ساتھ اور معمولی مشاہدہ و تجربہ سے متاثر نہیں ہوسکتا تھا! خصوصاً ایک ایسا صوفی جو جگہ جگہ پیوند لگے ایک ہی جبہ میں اکاون یا چھپن سال گزار دیتا ہے مگر پھر بھی صاف ستھرا اور طہارت و پاکیزگی کا مجسمہ نظر آتا ہے حتیٰ کہ مرشد لاہور بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں (۴۴) کہ انہوں نے زندگی میں ایسی ہیبت اور رعب و جلال والا صوفی کبھی کہیں نہیں دیکھا!

یہ بندہ مومن کی وہ سادگی و پرکاری ہے جو اقبال جیسے فلسفی شاعر کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے:

کافر ہے مسلمان، تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی!

Marfat.com

کیا یہ سب باتیں شیخ ختل وشام کی مؤمنانہ عظمت، کمالِ ولایت اور بلندیٔ کردار پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ مرشد و مرید کے قدیم وطویل تعلقات اور گہرے مراسم کی آئینہ دار نہیں ہیں!؟

رہی وہ ملاقات جو شیخ میہنہ حضرت ابو سعید ابوالخیر کے مزار (۴۵) پر ہوئی (ہوئی بھی یا نہیں؟!) اور جسے ہمارے بعض دوست پہلی تعارفی ملاقات گردانتے ہیں وہ ان دو ہستیوں کے باہمی روابط و تعلقات کی ابتدا نہیں تھی بلکہ کہانی کی انتہائی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی تھی! شیخ ختل وشام بیت الجن یا دمشق سے نہیں بلکہ بیت المقدس کی ایک خانقاہ سے آئے تھے، اب وہ عرب و عجم میں اپنے اصلاحی، تبلیغی اور مطالعاتی اسفار سے فارغ ہو کر قرآن و حدیث کی تدریس اور وعظ و ذکر کی خانقاہی مجالس میں طویل تجارب اور عمیق مطالعہ سے فیضیاب کر رہے تھے، لہٰذا اس ملاقات کو پہلی یا اتفاقی ملاقات سمجھنا کوئی محققانہ بات نہیں ہے! یہ ابتدا نہ تھی بلکہ انتہا کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں میں سے ایک قدم تھا جس کے لئے مرشد لاہور کسی درسگاہ یا کسی خانقاہ میں ہوں گے اور اپنے مرشد کی آمد کی اطلاع پا کر سید ہجویر میہنہ کی طرف لپک پڑے ہوں گے اور اس ورودِ مسعود کو غنیمت جان کر شیخ کے قدموں میں آن پہنچے ہوں گے!

پھر یہ حقیقت بھی قابل ذکر اور اہتمام کا تقاضا کرتی ہے کہ حضرت سید ہجویر و مرشد لاہور کو شیخ میہنہ حضرت ابو سعید ابوالخیر علیہ الرحمہ سے بھی بے پناہ محبت اور بے اندازہ عقیدت تھی، ان کے مزار پر اپنے مرشد سے ملنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی متعدد بار حاضر ہوتے رہتے تھے!؟ اس سلسلے میں کشف المحجوب اور دیگر مصادر میں شواہد اور دلائل تلاش کیے جا سکتے ہیں!

استاذ و شاگرد یا مرشد و مرید کی طویل رفاقت وصحبت کے متعدد ثبوت کشف المحجوب سے میسر آ بھی جاتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ قارئین محترم حسنِ تکرار اور قندِ مکرر کا ذوق رکھتے ہیں اس لئے یہاں بھی بعض واقعات پر ایک ''نظرِ مکرر'' ڈالی جا سکتی ہے، ان میں سے ایک واقعہ تو یہ

Marfat.com

ہے کہ حضرت ابو حلیم حبیب بن اسلم راعی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر خیر کے آخر میں داتا صاحب فرماتے ہیں کہ ''میرے پیرومرشد حضرت شیخ محمد الختلی، رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبیب راعی، علیہ الرحمہ، کی کرامات بکثرت سنایا کرتے تھے مگر میں یہاں مزید کے لئے گنجائش نہیں پاتا (۴۶)! بات اتنی ہی کافی تھی اور اس سے مرشد و مرید کی کثرت صحبت اور طویل رفاقت بھی ثابت ہو جاتی ہے اور مخدوم امم مرشد لاہور کا معمول بھی اتنی سی بات سے مکمل ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ ہر تذکرہ کے آخر میں بلکہ اکثر موضوعات کے آخر میں بھی وقت کی کمی اور جگہ کی تنگی کے باعث مزید تفاصیل میں جانے سے معذرت پیش فرما دیا کرتے ہیں مگر یہاں بات غیر ضروری طور پر آگے بڑھتی ہوئی لگتی ہے اور لکھا ہے کیونکہ میری کتابیں غزنی...... اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے......! میں رہ گئی ہیں اور میں یہاں شہر لہاور میں، جو مضافات ملتان میں واقع ہے، غیر جنس کے لوگوں میں گرفتار ہوں، رنج و راحت پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے (۴۷)!''

اگر آپ غور فرمائیں تو شاید آپ کو بھی یہ عبارت غیر ضروری لگے گی، اس کے بغیر بھی بات واضح اور مکمل ہو گئی تھی، نیز اگر آپ کتاب کے مختلف ایڈیشنز یا طبعات کا تقابلی مطالعہ فرمائیں گے تو اس عبارت میں شدید اختلاف و اضطراب بھی پائیں گے، اس لئے داتا پیر کا ذوق لطیف، نفیس انداز بیان، اخلاق کریمانہ اور روحانی منصب کی عظمت و شان اس ردی، مضطرب اور فالتو عبارت کو گوارا ہی نہیں کرتی، اس لئے یہ کسی ایسے بدنیت، بدخواہ اور حاسد یا بدحواس عقیدت مند کا کام لگتا ہے جو لاہوریوں کے دلوں میں مرشد لاہور کی عزت اور مقبولیت سے جلتا ہے! ورنہ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ اگر کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں تو اس میں ''شہر لہاور والوں'' کا کیا قصور ہے؟ کیا انہوں نے جلدی بلا لیا تھا اور کتابیں ساتھ لانے کی مہلت ہی نہیں دی تھی؟

۲۔ حضرت داتا صاحب تو دین حق کے خزانہ دار و گنج بخش تھے، اسلامی علوم و معارف ان کے حافظہ میں محفوظ تھے، تو کیا حضرت حبیب راعی کی ایک حکایت لطیف ہی یاد رہ گئی

Marfat.com

تھی؟ معاذ اللہ اپنے مرشد کے بیان کردہ باقی لطائف و نکات سب بھول گئے تھے!

۳۔ ''شہر لہاور'' کے لوگوں سے یہ گلہ تو ہو سکتا تھا کہ انہوں نے کاغذ چرا لئے ہیں یا کاغذ دینے سے انکاری ہیں؟ لیکن غزنی میں رہ جانے والی کتابوں کے لئے انہیں الزام نہیں دیا جا سکتا!

۴۔ مرشد لاہور حضرت داتا صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، تو لاہوریوں کو اسلام سکھانے کے لئے آئے تھے۔ بھلا وہ انہیں بدنام کر سکتے تھے اور وہ بھی اپنی زندۂ جاوید کتاب میں؟!

۵۔ چند ایک خبیث روحوں کی فتنہ گری کو چھوڑ کر باقی اہل لاہور نے تو اپنے مرشد کو سر آنکھوں پر بٹھایا تھا، وہ خود بھی اسلام کے ہو گئے اور ان کا لاہور بھی مرشد لاہور کے طفیل اسلام کا ہو گیا بلکہ مرشد لاہور کے طفیل لاہور تو بلاد برصغیر کے لئے قطب الارشاد اور ''داتا کی نگری'' بن گیا اور ایسا بنا کہ انہیں کا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لاہور ہمیشہ کے لئے داتا کی نگری اسلام کا قلعہ اور عالم اسلام کا دھڑکتا دل بن گیا ہے، بھلا داتا پیر اپنے ان لاہوریوں کا دل دکھا سکتے تھے؟! یہ ضرور کسی بدخواہ حاسد کا کام ہے، جب پریس نہ تھا اور نقول ہاتھ سے تیار ہوتی تھیں تو ان خطی نسخوں میں اس قسم کی تحریف اور ردو بدل عام معمول کی بات تھی، لہٰذا یہ عبارت داتا پیر کی نہیں ہے!

یہ جملہ معترضہ تھا جو بیچ میں حائل ہو گیا، دراصل بات ہو رہی تھی کہ مرشد لاہور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیر و مرشد کی طویل صحبت و رفاقت نصیب فرمائی، اسی لئے حضرت داتا صاحب خود اعتراف فرما رہے ہیں کہ تربیت و تزکیہ کی مجالس میں حضرت ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبیب راعی، رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے صوفیانہ لطائف و کرامات اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنایا کرتے تھے (۴۸)، ظاہر ہے داتا پیر کے لئے ان سب کا اندراج کتاب میں ممکن نہ تھا!

اسی سلسلے کا ایک اور واقعہ بھی حضرت داتا صاحب کی اس عظیم القدر کتاب کی زینت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان طویل صحبتوں کے دوران میں ایک دن وہ انہیں وضو کراتے وقت

Marfat.com

اپنے مرشد کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہے تھے، دل میں خیال آیا کہ ولایت و بزرگی اور علم و عرفان کی دنیا میں جو مقام اللہ نے مقدر فرمایا ہے وہ تو قسمت سے مل ہی جانا ہوتا ہے تو پھر بزرگوں اور اساتذہ کی یہ خدمت اور غلامی کیوں؟ یہ خیال آنا تھا کہ مرشد کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا، مگر کسی سرزنش کے بغیر اور مرید کو شرمندہ کیے بغیر حضرت ختلی نے اپنے مرید کو نصیحت اور تسلی دینے کے انداز میں فرمایا:

> ''دیکھو بیٹا! جب کسی گنوار پسماندہ گھرانے کے بچے کو اللہ تعالیٰ نے ولایت کا تاج پہنانا ہوتا ہے تو وہ ایسے بچے کے دل میں اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی محبت واحترام اور خدمت کا جذبہ ڈال دیتا ہے، چنانچہ وہ خدمت واطاعت سے اپنا مقام حاصل کر لیتا ہے (۴۹)!''

حضرت داتا صاحب کا اعتراف یہ ہے کہ حضرت ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کی ایسی کئی ایک کرامات اور بھی ہیں اور کشف و کمالات کے واقعات ان کی صحبت میں مجھے بار بار دیکھنے کو ملا کرتے تھے!!

گویا حضرت ختلی نے سو یا نوے سالہ زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ کوہِ لُکام کی وادیوں کی تنہائی میں عبادت اور ذکر اللہ میں بسر کر دیا تھا، وہی کوہِ لُکام جس کی سرسبز و پررونق وادیاں اوتادوں اور ابدالوں سے آباد رہتی تھیں، ان اوتادوں اور ابدالوں میں اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ شیخ ابو الفضل محمد بن الحسن ختلی شامی بھی شامل تھا، اسی لئے حضرت داتا پیر نے ان کے ذکر خیر کے لئے مختص فصل کا آغاز حسبِ معمول سجع وقافیہ کی عبارات سے کرتے ہوئے (۵۰) انہیں ''زین اوتاد و شیخ عباد'' فرمایا ہے، باقی زندگی شیخ ختل وشام نے، حصول تعلیم، اشاعت تعلیم، روحانیت کی تربیت لینے اور دینے کے ساتھ ساتھ اسلام کے سفیر اور مبلغ بن کر اپنے احباب، تلامیذ اور مریدین کی معیت میں صرف کر دی، مگر آخر کار اپنی جانِ عزیز بیت الجن میں اپنے الوالعزم شاگرد و مرید حضرت سید ہجویر مرشد لاہور کے زانو پر سر رکھے ہوئے اپنی جانِ شیریں،

Marfat.com

اپنے جان آفریں کے سپرد کر دی، وہی بیت الجن جو کوہِ لکام کی وادیوں میں گھومنے اور ذکر و عبادت میں مشغول رہنے کے بعد ان کے لئے گوشۂ عافیت اور آرام کرنے کی جگہ بھی تھی اور جائے وفات اور مدفن بھی بن گیا (۵۱)۔

شیخ محمد الختلی کے آبائی مسکن اور وطن اصلی کے متعلق تو ہمارے پاس یقینی معلومات ہیں۔ اسی طرح ان اسباب، محرکات اور وسائل کا بھی گزشتہ باب میں ایک جائزہ لے چکے ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ عرب و عجم کو برادری اور برابری کی لڑی میں پرو دیا تھا بلکہ عربوں کو جنوبی اور وسطی ایشیا میں اشاعت علم و ایمان کے لئے کشاں کشاں لے گئے تھے اور وہاں کے لوگوں کو عرب اور اسلامی دنیا کے علمی و ثقافتی مراکز میں لے آئے تھے تاہم شیخؒ کی جائے پیدائش اور نشو و نما پانے کے متعلق یقین سے کچھ کہنے سے ہم قاصر رہے ہیں مگر اندازہ یہی ہے کہ وہ عراق یا شام بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے اور کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ان کی آخری پناہ گاہ اور ماوی و ملجا کوہِ لکام تھا جسے ''اوتادوں اور ابدالوں کا مسکن'' کہتے تھے، دمشق اور بیت المقدس میں آمد و رفت کا سلسلہ رہتا تھا اور بالآخر ایک غیر معروف سا دیہات ''بیت الجن'' ان کی آخری منزل و مدفن بنا جو شام کے ساحلی شہر بانیاس اور دار الحکومت دمشق کے درمیان واقع ہے (۵۲)!

جس طرح حضرت داتا صاحب کے احوال و آثار کے سلسلے میں ہمارے جنوبی اور وسطی ایشیا کے تذکرہ نگاروں نے تساہل برتا ہے اور ان کا مستند ذکر خیر، جنوبی و وسطی ایشیا کی حد تک، وہی ہے جو موتیوں اور جواہرات کی شکل میں کتاب کشف المحجوب کے صفحات میں بکھرا پڑا ہے اور جسے پوری طرح سمیٹنا ابھی بھی باقی ہے، اسی طرح حضرت ختلی، علیہ الرحمہ، کا زیادہ تر مستند ذکر خیر بھی وہی ہے جو مرید نے اپنے مرشد کے متعلق اپنے اسی زندہ جاوید صحیفہ تصوف میں جواہر و شذرات کی شکل میں پھیلا رکھا ہے۔ اور جسے سمیٹنے کی ایک متواضع قسم کی کوشش کی جا چکی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

Marfat.com

عربی مصادر و منابع نے شیخ ختل و شام کے حالات و آثار بڑے اختصار کے ساتھ بلکہ بے حد اختصار و اجمال کی شکل میں...... کتب تذاکر و تراجم میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور یہ مستند مگر بے حد مختصر احوال قلب و نظر کی تشنگی دور کرنے سے عاجز ہیں، رہے جنوبی ایشیا کے تذکرہ نگارانِ اولیائے کرام تو ان میں سے بھی اکثر نے بے احتیاطی اور تساہل سے کام لینے کے علاوہ کشف المحجوب کی نقل کرتے ہوئے مکھی پر مکھی مارنے کے مصنفانہ فن سے کام لیا ہے، اسی لئے اس کتاب کی تیاری میں دیگر عربی، فارسی اور اردو کتب تذاکر و تراجم کے علاوہ ''کشف ہجویری'' کے تفصیلی مطالعہ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اس صحیفہ تصوف میں شیخ ختل و شام کے ذکر خیر پر مشتمل ایک مستقل مطالعہ بھی یہاں الگ سے پیش کیا گیا ہے!

جنوبی ایشیا (۵۳) کے فارسی اور اردو...... یا فارسی کے اردو تراجم اور تذکرہ نگاروں میں سے مولانا جامی، علیہ الرحمہ، نے تو کشف ہجویری کو من و عن نقل کر دیا ہے، دوسرے تذکرہ نگاروں نے تساہل سے کام لیتے ہوئے شیخ ختل و شام کا جو ذکر خیر کیا ہے مستقل شکل میں یا سید ہجویر کے ذکر خیر کے ضمن میں ہے اس پر بھی نظر رکھی گئی ہے یہ الگ بات ہے کہ مصنفین کے تساہل کے ساتھ ناشرین کی تاجرانہ جلد بازی نے ''سونے پر سہاگے'' کا کام کیا ہے! حتیٰ کہ شیخ کے نام و نسب میں بھی ناگفتہ بہ اغلاط کا مظاہر کیا گیا ہے، ان تذکروں میں مفتی غلام سرور لاہوری کے ہاں شیخ ختلی کی تاریخ وفات کے متعلق ایک رباعی قابل ذکر ہے (۵۴):

پیر ابوالفضل بن حسن ختلی — بود شیخ ہر صغار و کبار
دلِ سرور ولی رہبر گفت — سالِ ترحیلِ آن شہ ابرار
نیز سالِ وصال آں مہ دیں — گشت روشن زمعدن الاسرار
''جنتی'' بود سال تاریخش — لفظِ جنت شداز خرد اظہار

❀ ❀ ❀

Marfat.com

Marfat.com

سید ہجویر کے پیر و مرشد کشف المحجوب کی روشنی میں

سید ہجویر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے پیر و مرشد شیخ ابو الفضل ختّلی شامی، رحمۃ اللہ علیہ، ایک عظیم علمی و روحانی شخصیت ہیں ۔ ان کی زندگی کے حالات اور روحانی تجربات و تعلیمات کا مطالعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ مفید و سبق آموز بھی ہے، وہ ایک مسلّم مفسر قرآن اور مستند عالم حدیث (۱) بھی تھے بلکہ ان کا شمار ثقہ و معتبر راویان حدیث (۲) میں ہوتا ہے لیکن سر دست ان کے سوانح حیات اور تعلیمات کے متعلق ہمارا یہ مطالعہ صرف داتا پیر کی کشف المحجوب کے صفحات تک ہی محدود رہے گا اور یہاں ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ خود مرشد لاہور نے اپنے شیخ طریقت اور پیر و مرشد کے احوال کو کس رنگ میں پیش کیا ہے اور ان کی روحانی تعلیمات اور عارفانہ تجربات و مشاہدات کے کون کون سے پہلو اجاگر کر کے طالبان حق اور متلاشیانِ عرفان کے لئے کیا کیا سامان کر دیا ہے۔

یہ بات تو کسی وضاحت و تصدیق کی محتاج نہیں کہ مرشد لاہور کا شہرہ آفاق اور زندہ جاوید علمی کارنامہ یعنی کشف المحجوب محض ایک خوبصورت صحیفہء تصوف ہی نہیں بلکہ اسلامی شریعت کے اہم احکام و مسائل پر مدلل اور تسلی بخش بحث و گفتگو کا ایک گلدستہ بھی ہے جس میں کتاب و سنت فقہ و کلام اور ذکر و فکر کے نہایت اہم گوشوں کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے مگر انداز بیان اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر قاری اس میں اپنے لئے اطمینان بخش روحانی غذا پاتا ہے، اپنا ایمان تازہ کرنے کے ساتھ ساتھ سلوک کی منازل کے لئے رہنمائی کا سامان بھی کر سکتا ہے اور یوں حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات مانے بغیر چارہ نہیں پاتا کہ جسے مرشد کامل نہ مل سکے اس کے لئے حضرت داتا پیر کی

Marfat.com

کشف المحجوب (۳) ہی کافی ہے، یہی نہیں بلکہ یہ عظیم القدر تصنیف ایک تذکرۂ اولیاء اللہ بھی ہے جو صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے عہد مبارک سے لے کر سید ہجویریؒ کے زمانے تک کے اولیائے کرام اور مشائخ عِظاَم کے ذکر خیر پر مشتمل ہے، ان بزرگان سلف اور ائمہ تصوف وطریقت میں سے ایک حضرت ابوالفضل (۴) محمد بن الحسن ختّلی شامی رحمۃ اللہ علیہ یعنی داتا صاحب کے پیرومرشد بھی ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت خُتلی کے ذکر خیر کے لئے داتا پیر نے ایک مستقل فصل بھی مختص کی ہے اور ہم یہاں اس فصل کا مطالعہ بھی ضرور پیش کریں گے تاہم یہاں ہم ان بکھری ہوئی معلومات کو بھی سمیٹیں گے جو کتاب کے مختلف ابواب میں کسی سمندر کے موتیوں کی طرح جابجا پھیلی ہوئی ہیں اور جن سے مصنف نے اپنی کتابِ مستطاب کو سجایا اور اس کی اہمیت و افادیت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے، مرشد لاہور کا یہ علمی وفکری کارنامہ بلا مبالغہ ایک بحرِ زخار ہے جس نے اپنے ایڈٹ کرنے والوں اور مترجمین کو بھی عاجز کر دیا ہے چنانچہ آج تک نہ تو کوئی داتا پیر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس سمندر کو صحیح معنی میں ایڈٹ کر سکا ہے اور نہ کوئی مترجم مکمل اور آسان ترجمہ پیش کر سکا ہے: کشف المحجوب بھی ایک اور قابل فخر لاہور سے تعلق رکھنے والے عالم حضرت امام حسن صغانی لاہوری کی کتابِ لغت ''العُباب الزاخر'' (ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر) کی طرح ہے جس کے دو ایڈیشن چھپ تو چکے ہیں مگر تا حال اہل علم کی تشنگی باقی ہے!

اپنے پیرومرشد کے متعلق مرشد لاہور کے ان متفرق اقوال و آراء کو موتی کہنا کوئی مبالغہ یا خالی عقیدت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تمام اقوال و آراء اور واقعات و حکایات واقعی حکمت بھرے موتی اور جواہر ہیں جو ایک نعمت غیر مترقبہ کے زُمرے میں آتے ہیں! حضرت داتا صاحب کے یہ موتی اور جواہرات ان کے عظیم القدر مرشد و معلم کے لیئے اس احترام و اکرام اور عقیدت ومحبت کے بھی آئینہ دار ہیں جو مرید وشاگرد کو ہمارے لئے ایک مثالی مرید و تلمیذ کے روپ میں پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے شیخ و استاذ کو بھی بڑے پر

Marfat.com

کشش اور دل آویز انداز میں ہمارے سامنے لاتے ہیں، یوں یہ موتی گویا مرشد و مربی اور مرید و تلمیذ دونوں کو ہمارے لئے محبوب و محترم بنا دیتے ہیں اور یہ ہر زمانے کے استاذ و شاگرد اور مرشد و مرید کے باہمی تعلقات کے لئے ایک عبرت آموز ہدایت اور مفید سبق کا بھی کام کرتے رہیں گے کیونکہ تعلیم عبارت ہے معلم، متعلم اور علم سے، یہ علم صرف قرطاس و قلم کا قیدی ہی نہیں ہوتا بلکہ معلم کے سینے اور دل و دماغ میں بھی ذخیرہ ہو سکتا ہے اس لئے قرطاس و قلم کا نتیجہ یعنی کتاب تو ایک اضافی چیز ہے اس لئے اصل میں تو علم اور تعلیم کی دنیا صرف معلم و متعلم ہی کی محتاج ہوتی ہے، یہ معلم و متعلم اگر حضرت ختلی اور حضرت داتا جیسے ہوں تو پھر کشف المحجوب جیسے معجزات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔

اس حقیقت سے تو سب اہل علم آگاہ ہیں کہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کا زمانہ وہ وقت ہے جب قافلہ اسلام نے مشرق و مغرب کو علم و معرفت اور اسلامی اخوت و مساوات کے پیغام سے چونکا دیا تھا اور اس انسان دوست تمدن کے خلاف مفاد پرستوں کے شدید ردعمل نے زمین کے چاروں کونوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا! تاریخ اسلام کی یہ دونوں صدیاں اسلام کی عظمت و سربلندی کی صدیاں ہونے کے علاوہ خلافت اسلامیہ کی جغرافیائی وسعت اور مسلمانوں کے غلبہ اور رعب و جلال کا زمانہ بھی ہے اور یہی دو صدیاں سید ہجویر اور مرشد لاہور کی دو (۵) صدیاں بھی ہیں!

اس میں تو دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ خیر القرون (بھلے اوقات، نیک زمانے اور تاریخ کا سب سے اچھا دور) تو عہد نبوی، علی صاحبہ السلام، اور عہد خلافت راشدہ ہی ہے لیکن ہم بات کر رہے ہیں مسلمانوں کے سیاسی غلبہ و اقتدار اور حدود مملکت کی وسعتوں کی، اس دور میں اسلامی خلافت کے دار الحکومت بغداد کو وہی حیثیت یا مقام حاصل تھا جو شاید آج کے واشنگٹن کو نئی دنیا میں حاصل ہے، اس زمانے کے یورپ اور ایشیا کے تاجدار سب کے سب بغداد میں عباسی خلیفہ اور اندلس یا ہسپانیا کے قرطبہ میں اموی خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر اور اس کے فاضل بیٹے حکم المستنصر کا دم بھرتے تھے اور ان کی خوشنودی کے طالب رہتے تھے (۶)! ادھر

Marfat.com

برصغیر میں عربوں کی فتوحات سندھ و ہند اوران کے بعد محمود غزنوی کی فتوحات بھی اسلام کے کچھ زیادہ کام نہ آئی تھیں۔ تاہم یہ ضرور ہوا تھا کہ سندھ اور ملتان میں قرامطہ جیسے مفسدین کا قلع قمع کرنے اور مسلمانوں کی دھاک بٹھانے میں غزنوی کی بت شکنی ضرور کام آئی تھی مگر بتکدہ ہند میں شجرۂ اسلام کا ابھی بیج نہیں بویا جا سکا تھا کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں۔ صوفیوں اور اولیاء اللہ۔ کے لئے مقدر کر دیا تھا! اگر محمد شاہ تغلق دلی میں چشتی بزرگوں کے مرکزی نظام کو بدنظمی کی نذر کرنے کی نادانی نہ کرتا تو اولیائے کرام اور مشائخ عظام اپنی شفقت و رواداری اور اسلامی اخوت و مساوات کی دعوت حق سے برصغیر کو مسلم اکثریت کا خطہ بنا دیتے (۷)۔ اصحاب تصوف و طریقت اور اولیاء اللہ کے اس کاروان حق کے قائد اور پیش رو حضرت شیخ ابو الحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری تھے جنہیں ہم عقیدت اور پیار سے داتا پیر، داتا گنج بخش، سید ہجویر اور مرشد لاہور کے القاب سے یاد کرتے رہتے ہیں بتکدہ ہند میں شجرۂ اسلام کا بیج بونے اور اسے پروان چڑھانے میں ان کا بنیادی کردار ہے بقول علامہ اقبال (۸): ''درزمین ہند تخم سجدہ ریخت'' (یعنی بتکدہ ہندوستان میں انہوں نے شجرہ اسلام کا بیج بویا) بلکہ اسے پروان بھی چڑھایا، یوں مرشد لاہور نے (۹) اپنی اس نگری کو اسلامی لاہور بنا دیا اور ایسا بنایا کہ آج بھی لاہور اپنے اسلامی کردار کے ساتھ زندہ و پائندہ ہے! انہی ہل چل کی صدیوں کے دوران میں حضرت داتا پیر سمیت اولیاء کرام نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے سفیر اور مبلغ بنکر پھیلتے اور اسلامی اخوت و مساوات، محبت او رواداری کا پیغام عام کرتے نظر آتے ہیں، اسلام کے اسی زمانہ عزت و عروج میں مرشد لاہور بھی اپنے مرشد اور مربی حضرت ختلیؒ شامی کے ہمراہ بطور سفیر اسلام اور اسلامی اخوت و مساوات کے علمبردار کے اپنا تاریخی بلکہ تاریخ ساز کردار ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں!

حدیث نبوی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، کی رو سے سیاحت کو جہاد کہا گیا ہے، خصوصاً جب یہ سفر پیام حق پہنچانے، خلقِ خدا کی بھلائی کا کام کرنے اور علم کے حصول کے

Marfat.com

لئے ہو، قرآن کریم میں بھی سیر و سیاحت کا حکم ہے، خصوصاً روئے زمین میں قدرت ربانی کی کرشمہ سازیوں اور آثار رحمت ونعمت کے مشاہدے اور ماضی کے نافرمانوں اور فساد فی الارض کی مرتکب اقوام وافراد کے انجام بد کی نشانیاں دیکھنے اور ان سے عبرت پکڑنے (۱۰) کے لیے، امت کے باقی گروہوں نے ان اسلامی احکام پر عمل کیا یا نہیں کیا اور کیا تو کیسے کیا؟ اس سے یہاں بحث نہیں ہے لیکن ایک حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ ان بندگان حق نے ان احکام پر بھی حرف بحرف عمل کیا جنہیں اہل تصوف وطریقت اور اولیاء اللہ کے اسماء والقاب سے یاد کیا جاتا ہے اللہ کے ان بندوں کے نزدیک یہ سارا جہاں دیکھنے، قدرت ربانی کے کرشموں سے عبرت پکڑنے اور تمام دنیا میں چل پھر کر ایمان افروزی اور روح پروری کا سامان کرنے کے قابل ہے یہ بزرگ بھی طارق بن زیاد کی زبان (۱۱) سے کلام اقبال کو اپنے لئے حجت اور رہنما سمجھتے ہیں کہ، ''ہر ملک ملکِ ما است کہ ملک خدائے ما است'' چنانچہ دیگر اربابِ تصوف وطریقت کی طرح حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جُلابیِ ہجُویری، غزنوی، لاہوری اور ان کے پیرومرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی، رحمہ اللہ، بھی کشف المحجوب کی روشنی میں ان احکام سیر و سیاحت پر پوری طرح عمل پیرا نظر آتے ہیں! پیرومرید اور استاذ وتلمیذ دونوں عالم اسلام کی سیاحت کے لئے رواں دواں نظر آتے ہیں اور حصول علم و عبرت اور خلق خدا کی خیر خواہی میں سرگرداں ہیں، بلاد عرب وعجم میں مرشد ومربی اور مرید و تلمیذ کے ان اسفار کی جھلکیاں کشف المحجوب کے صفحات میں بکھری پڑی ہیں! کتاب کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داتا صاحب کو جنیدی سلسلہ طریقت سے گہرا لگاؤ ہے اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب میں سلسلہ جُنید یہ کے بزرگوں کا کثرت سے ذکر فرمایا ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، رحمۃ اللہ علیہ، کے ذکر کا تکرار تو سب سے زیادہ معلوم ہوتا ہے، ان کے بعد اپنے مرشد کے مرشد حضرت حصری اور پھر حضرت ختلیؒ کا ذکر بھی کثرت سے کیا ہے، اس ذکر مکرر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرشد لاہور علیہ الرحمہ کو اپنے سلسلہ کے

Marfat.com

بزرگوں سے کتنی عقیدت ہے، وہ حضرت ختلی کا ذکر بڑی محبت سے اور انتہائی احترام سے کرتے ہیں اور ان کا نام لینے کے بجائے ''شیخ من'' (میرے مرشد) یا شیخم (میرے پیر) اور ''حضرت شیخ'' کے الفاظ سے تذکرہ کرتے ہیں، اپنے شیخ کے حضور ادب واحترام کے ساتھ بیٹھتے اور یا شیخ اور ایہا الشیخ کے الفاظ سے مخاطب ہوتے ہیں، حضرت داتا صاحب نے اپنے پیر ومرشد کے ہمراہ بلاد عرب وعجم کی سیاحت بھی کی ہے اور یہ مشترکہ اسفار سب سے زیادہ دلچسپ معلومات اور رہنمائی کے حامل ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ استاذ وشاگرد اور مرشد و مرید ایک دوسرے سے کتنا گہرا تعلق رکھتے ہیں اور عقیدت واحترام کی حدود کیا ہونا چاہئیں!

سید ہجویر اور حضرت ختلی کے یہ مشترکہ اسفار بلاد عرب و عجم، قرآن کریم میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خواجہ خضر علیہ السلام کے مشترکہ سفر کی یاد دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں گویا ان دونبیوں کے سفر کو تعلیم وتربیت کے آداب کا ایک غیر فانی مگر عبرت آموز مصدر ومرجع بنا دیا ہے، یوں لگتا ہے کہ حضرت داتا صاحب اس سفر سے شعوری طور پر رہنمائی لیتے ہوئے اپنے شیخ سے سوال کرتے ہیں اور انہیں اس حدیث نبوی کا بھی عملی شعور ہے جس میں فرمایا گیا ہے السوال نصف العلم یعنی سوال کرنے کا سلیقہ بھی آدھے جواب یا علم کا آئینہ دار ہوتا ہے! یہی نہیں بلکہ وہ تو ان آداب علم سے بھی آگاہ ہیں جن کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک قول میں آیا ہے اور جو کوزے میں دریا بند کرنے کے مترادف ہے فرمایا گیا: سَلْ تَفَقُّهاً وَلَا تَسأَل تَعَنُّتاً" یعنی سوال کرو تو بات سمجھنے اور علم کی تشنگی بجھانے کے لئے کرو، سرکشی دکھانے یا اپنے علم کی شوخی بگھارنے بلکہ استاذ کا امتحان لینے کے لئے مت کرو'' ہمارے شیوخ ومریدین اور استاذ وشاگرد کو قرآن کریم میں مذکور قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کو کشف المحجوب میں مذکور آداب علم وعرفان کے ساتھ ملا کر اپنے ہاں کی تعلیم و تربیت کے نصاب وآداب کا حصہ اور مصدر بنانا چاہئے!!

حضرت ابو الفضل محمد الختلی الشامی، رحمۃ اللہ علیہ، اصلاً بلاد عجم (یعنی ختل یا بلاد ختلان)

Marfat.com

سے تھے مگر وہ اسلام کی بدولت ،اخوت و مساوات اسلامی پر ایمان لا کر بلاد عرب (ملک شام) میں جا بسے تھے جبکہ حضرت داتا صاحب سید ہجویر اصلاً عرب تھے اور سادات بنو ہاشم میں سے تھے مگر اسی دین اسلام کے عقیدہ وحدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات کی بنیاد پر ان کے بڑوں نے ہجرت کر کے آخر کار شہر غزنی (غزنین) کے محلہ جُلاب اور ہجویر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یوں رنگ و نسل اور علاقہ پرستی کے غیر انسانی فکر اور رویہ کی جڑ کٹ گئی بلکہ ایک غیر عرب شامی عرب بن گیا اور عرب و عجم کے تمام مسلمانوں کا مسلّم پیر و مرشد اور معلم و استاذ بھی ہو گیا جبکہ ایک سیدزادہ عرب نے بلاد عجم کا باشندہ بنکر ایک اصلاً غیر عرب کا شاگرد و مرید بننے میں فخر محسوس کیا یہ سب کچھ برکت تھی دین اسلام کی جس نے ایک ہی ضرب کاری سے رنگ و نسل کی جڑ کاٹ دی اور ایک ہی آدم کے فرزندوں کو بھائی بھائی تسلیم کروایا اور وہ وحدت کی ایک ہی لڑی میں پرو دیئے گئے!

جب نور علم سے منور ہونے اور روحانی تربیت پانے کی تشنگی اور ضرورت محسوس کی تو سیر و سیاحت کے قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے عرب و عجم کے علمی و روحانی مراکز سے ہوتے ہوئے سید ہجویر ملک شام جا پہنچے (۱۲) اور عظیم ملک شام کے گوشے گوشے میں گئے اور نور علم و ہدایت کی ہر شمع پر پروانہ وار نچھاور ہوتے رہے اور بالآخر ایک ایسی ہستی کو اپنا شیخ و مرشد اور معلم و مربی مان کر بیٹھ گئے جو نسلاً اور اصلاً عرب نہ تھے۔ پھر شام میں اپنے مرشد و مربی کے حضور باربار حاضری دی اور جتنی مدت چاہا ان کے حضور میں حاضر رہے حتی کہ مرشد کے دم واپسین کے وقت بھی وہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد و معلم کا سر اپنے شاگرد و مرید کی گود میں تھا (۱۳) مرشد و مرید اور شاگرد و استاذ کے درمیان کتنے پختہ و پاکیزہ رشتے تھے؟ قلبی لگاؤ اور عقیدت و احترام کی کیا حدود تھیں یہ رشتے اور یہ لگاؤ آج کے شیوخ و مریدین اور معلمین و متعلمین کے لئے بھی ایک معروضی سبق ہے! کبھی کبھی مرشد و معلم اور مرید و متعلم دونوں ایک ساتھ بلاد عرب و عجم کی سیاحت کے لئے بھی نکلتے تھے مرشد و معلم اپنے پرانے وطن جبکہ مرید

Marfat.com

ومتعلم اپنے نئے وطن کی سیر و سیاحت کے لئے اسلام کے سفیر و مبلغ بنکر بھی رواں دواں ہو جاتے تھے مگر کبھی اس کے برعکس مرید وشاگرد اپنے پرانے وطن یعنی بلاد عرب اور پیر و مرشد اپنے نئے وطن کی سیاحت کے لئے بھی نکلتے تھے (۱۴) جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے!!

سید ہجویر شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جلابی المعروف حضرت داتا گنج بخش ایک عالم باعمل اور پابند کتاب وسُنت صوفی تھے، انہوں نے ہر حال میں اور ہر قدم پر شریعت کی پابندی کی اور اس تصوف یا طریقت کو الحاد اور زندیقیت قرار دیکر مسترد کر دیا جو کتاب وسنت سے بے نیاز یا متصادم تھی، یہی مسلک تصوف سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، رحمۃ اللہ علیہ، کا تھا اور چونکہ حضرت داتا صاحب کے مرشد حضرت خُتلی رحمۃ اللہ علیہ بھی صرف دو واسطہ (حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری اور شبلی کے واسطہ) سے حضرت جنید کے مرید اور پیرو کار تھے اس لئے حضرت داتا صاحب نے بھی صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ میں تصوف اور طریقت میں سلسلہ جنیدیہ سے وابستہ ہوں (۱۵)، سیر و سیاحت چونکہ کتاب وسنت کی رو سے مسلمان کے لئے ضروری بھی ہے اور مفید بھی اسی لئے راسخ العقیدہ اور پابند شریعت صوفیوں کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ وہ اللہ کی زمین میں پوشیدہ اور ظاہر قدرت کی کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کرنے، عبرت ونصیحت پکڑنے اور اپنا ایمان تازہ اور پختہ رکھنے کی غرض سے سیر و سیاحت کے لئے نکلتے تھے، دنیائے انسانیت کو اسلامی وحدت، اخوت اور مساوات کی دعوت دیتے اور خلق خدا کے کام آتے تھے، حضرت داتا صاحب، علیہ الرحمہ، بھی اس اصول پر عمل پیرا تھے حصول علم و معرفت اور عظمت خداوندی کا عملی مشاہدہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنا ان کا معمول تھا، انہوں نے اپنے ان اسفار کو اپنی کتاب کشف المحجوب میں درج کیا ہے۔

سیر و سیاحت کے انفرادی اسفار کے ریکارڈ سے تو ان کی کتاب لبریز ہے مگر اپنے ہم مسلک صوفیوں خصوصاً اپنے پیر و مرشد حضرت ختلی کے ہمراہ ان کے مشترکہ اسفار بھی بیشمار ہیں یہاں ہماری توجہ اصل میں تو صرف آخری قسم کے اسفار پر مرکوز رہے گی، لیکن کسی ایک آدھ

Marfat.com

انفرادی سفر کا تذکرہ کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے میں بھی کوئی حرج یا قباحت نہیں ہوگی خصوصاً جب یہ سفر ہمارے اس موضوع سے گہرا ربط بھی رکھتا ہو!

حضرت سید ہجویری کی کشف المحجوب کے علاوہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے تاریخی مصادر، خصوصاً بغداد اور دمشق کی تاریخی روایات کی ورق گردانی کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب اور ان جیسے دیگر اصحاب تصوف وطریقت بلاد عرب وعجم بالخصوص عراق و شام میں اپنی روحانی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ علوم و معارف سے اپنے دامن بھرنے کے لئے بھی کوشاں رہتے تھے۔ صوفیائے کرام کی خصوصی دلچسپی حدیث نبوی اور سیرت طیبہ تھی چنانچہ ان صوفیوں میں سے اکثر مستند ومعتبر راویان حدیث شمار ہوتے تھے اور دمشق و بغداد بلکہ شام وعراق کے دیگر علمی وادبی مراکز کے علمائے حدیث حتی کہ شیخین وصحاح ستہ کے مؤلفین بھی ان بندگان حق کی روایات کو دل سے قبول کرتے اور اپنی کتب حدیث کو ان کی روایات سے سجاتے تھے، مرشد لاہور کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان محدثین صوفیہ میں شامل ہیں اور وہ اپنے وقت میں شام کے مسلم الثبوت مفسر ومحدث تھے (۱۶)۔

حضرت داتا صاحب کا تعارف وملاقات شام کے اعلام علم وتصوف سے زیادہ رہتی تھی اور اپنے پیرومرشد کے علاوہ شام کے اہل علم وفضل سے وہ بہت زیادہ مستفید ہوئے، یہی وجہ ہے کہ بغداد کی نسبت دمشق سے ان کا انس ومحبت کافی زیادہ تھی، وہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات سے جو تسکین محسوس کرتے تھے وہ انہیں ذکر اللہ اور درود و دعا کے علاوہ بیٹھے بیٹھے نیند کے آغوش میں بھی لے جاتی تھی (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو خواب انہوں نے دیکھا تھا وہ بھی دمشق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر دیکھا تھا) دمشق وشام سے ان کے انس ومحبت کی یہ روشن دلیل ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دمشق اور اہل دمشق سے بے حد مانوس تھے اور اس میں ان کے اپنے مرشد حضرت ختلی کی عقیدت ومحبت کو بھی یقیناً بڑا دخل تھا۔

Marfat.com

مرشد لاہور ایک جگہ (۱۷) لکھتے ہیں کہ میں شام کے خوبصورت شہر دمشق میں اپنے بعض نوجوان دوستوں کے ساتھ حلقہ درویش میں محو گفتگو تھا، احباب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شام (اوراب فلسطین) کے شہر رملہ یا رام اللہ چلتے ہیں، یہ اس وقت شام کا ایک دور افتادہ دیہاتی سا قصبہ تھا اور دمشق سے کافی فاصلہ پر تھا مگر یہ ایک علمی اور روحانی مرکز تھا، دمشق کے اہل ذوق مقیم ومسافر سب باشندوں کے لئے اس میں بڑی کشش تھی، سب لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کے لئے کھنچے چلے آتے تھے، یہاں کی علمی وروحانی درسگاہ کے متولی اور سرپرست شیخ ابن العلاء تھے جو رام اللہ کے صوفی اور محدث تسلیم کئے جاتے تھے، ان کے فرزند زکی ابن العلاء بھی اپنے والد کے صحیح علمی وروحانی وارث وجانشین مانے جاتے تھے (حضرت داتا صاحبؒ ان دونوں باپ- بیٹے سے- متعارف اوران سے مستفید ہوتے رہتے تھے!) ایک مرتبہ مرشد لاہور سمیت تین ساتھی درویش شیخ ابن العلاء کی خدمت میں حاضری کے لئے دمشق سے روانہ ہوئے حضرت شیخ صاحبِ کشف وکرامات ولی اللہ مشہور تھے، تینوں ساتھیوں نے طے کیا کہ ہر ایک اپنے دل میں ایک خواہش یا مقصد رکھ لے، ہم دیکھیں گے کہ وہ ہم تینوں کے دل کی بات سے بذریعہ کشف آگاہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ حضرت داتا صاحب چونکہ حسین بن منصور حلاج سے دلچسپی رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے دل کا مقصد یا خواہش متعین کی کہ شیخ ابن العلاء مجھے حلاج کے کچھ اشعار اور دعائیں بتائیں! ایک ساتھی کو تلی کی تکلیف تھی لہذا اس نے بیماری سے چھٹکارا پانے کی دوا یا دعا کو اپنا مقصد بنایا. تیسرے ساتھی نے یہ چاہا کہ میری خواہش تو صابونی حلوہ ہے، دیکھتے ہیں شیخ اس خواہش سے آگاہ (۱۸) ہوتے ہیں یا نہیں؟

جونہی تینوں ساتھی حضرت ابن العلاء کے ہاں رام اللہ پہنچے تو انہوں نے داتا صاحب کو حلاج کے شعر اور دعائیں سنا دیں! تلی کے مریض کے پیٹ پر شیخ نے اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اب تمہیں تلی کی تکلیف کبھی نہیں ہوگی! تیسرے ساتھی سے کہا کہ دیکھو بھئی صابونی حلوہ کے طلبگار کو صوفیانہ لباس اتار پھینکنا چاہیئے کیونکہ صابونی حلوہ تو عام لوگ ہی کھاتے اور

Marfat.com

ہضم کر سکتے ہیں مگر ایک صوفی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صابونی حلوے کی خواہش پالے (۱۹)!

یہ واقعہ یا کہانی اس وقت وجود میں آئی جب حضرت داتا صاحب اپنے شامی دوستوں کے ہمراہ وہاں کے اعلام علم وتصوف سے مستفید ہو رہے تھے اور حضرت مرشد لاہور نے کشف المحجوب میں جگہ دیکر اسے ایک روحانی اور سبق آموز مگر ناقابل فراموش کہانی بنادیا ہے! مگر اس سے کوئی بات نکلتی ہے تو وہ یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کے دیار میں بکثرت جاتے تھے، شام میں ان کے جاننے والوں اور دوستوں کی ایک جماعت تھی جس کے ساتھ وہ ملک کے گوشے گوشے میں جہاں چاہتے تھے بڑی آزادی اور سہولت کے ساتھ آتے جاتے تھے اور دمشق جیسے خوبصورت شہر سے نہ صرف یہ کہ وہ مانوس تھے بلکہ وہاں کے درویش و علماء کے حلقوں میں بھی مقبول ومتعارف تھے یہاں سے یہ عقدہ بھی کھلتا ہے کہ کشف المحجوب میں مذکور شیوخ وعلماء کی کثرت شام سے کیوں تعلق رکھتی ہے؟!

اہل تصوف کے ہاں مرقعہ پوشی سے متعلق جو فصول کشف المحجوب میں موجود ہیں ان میں سے ایک فصل میں مرشد لاہور نے بعض مرقعہ پوش صوفیوں کو گندم کے کھلیانہ پر اپنی گودڑیوں کے دامن پھیلائے اور خیرات مانگتے ہوئے دیکھا، حضرت داتا صاحب کے لئے ایک افسوس ناک بلکہ شرمناک منظر تھا، اس موقع پر وہ اپنے پیر حضرت ابوالفضل خُتلی کے ہمراہ تھے، یہ کہانی ہم کشف المحجوب سے مصنف کے اپنے الفاظ میں اردو ترجمہ کی شکل میں یہاں پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر بات بھی کریں گے۔

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں (حضرت سید ہجویر) آذربائیگان (آذربائیجان؟) کے علاقے میں اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ چند مرقعہ پوش دراویش ہیں جو ایک کھلیانہ پر گندم کے ڈھیر کے پاس اپنی گودڑیوں کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گندم کی فصل اٹھانے والا کسان ان کے دامن میں کچھ دانے ہی ڈال دے، میرے شیخ حضرت ابوالفضل خُتلی ان کی طرف دیکھتے ہیں اور یہ آیت (۲۰) پڑھتے ہیں کہ''

Marfat.com

یہی تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، سو ان کی اس تجارت میں برکت یا بڑھوتری نہیں ہوگی اور نہ یہ لوگ سیدھی راہ پر ہیں!'' میں (مرشد لاہور) نے حضرت خُتلی کی خدمت میں عرض کیا، یا شیخ! آخر یہ لوگ، اس ذلت و رسوائی میں کیونکر مبتلا ہو گئے ہیں کہ خلق خدا کے سامنے یوں عاجز اور ذلیل دکھائی دیتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ دراصل بات یوں ہے کہ ان کے پیروں کو محض مریدین کی تعداد بڑھانے کا لالچ تھا جبکہ یہ لوگ دنیا کمانے کے لالچ میں پھنس گئے ہیں اور کوئی بھی لالچ کسی بھی لالچ سے بہتر نہیں ہوتا! ضابطہ ربانی کی پابندی اور مرشد کی اجازت کے بغیر دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہوس پرستی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا!''

یہ کہانی تو بالکل سیدھی سادی اور واضح ہے، اس میں کوئی ابہام یا الجھاؤ بھی نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں پڑھنے سننے والوں کو تو اس دلچسپ اور عبرت آموز کہانی کو سمجھنے میں کوئی مشکل یا دقت محسوس نہیں ہوتی، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خُتلی نے موقع کی مناسبت سے اور بات کو ذھن نشین کرانے کے لئے قرآنی آیت سے برمحل اور موزوں استفادہ فرمایا ہے، شیخ کا یہ برمحل اور مناسب استشہاد ہمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک خوبصورت استشہاد قرآنی کی یاد دلاتا ہے خوارج کا ملعون گروہ اِنِ الحکم الاّ للہ (حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے) کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کنکریاں پھینکتے تھے، مگر آپ فرماتے تھے: یہ لوگ حق بات کے سہارے باطل کی برتری کے علمبردار ہیں (کلمۃ حق ارید بہا باطل یعنی الفاظ تو کلام حق تعالیٰ کے ہیں مگر ان (خوارج) کا مقصود باطل ہے)! اسی قسم کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورت (۲۱) کہف کی آیت کریمہ سے استشہاد فرمایا تھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

''آپ فرما دیجیے کہ کیا میں تمہیں ان لوگوں کی نشاندہی کر دوں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے بڑے خسارے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش تو رائیگاں جائے گی مگر وہ اس گھمنڈ میں بھی مبتلا ہیں کہ وہ خوبصورت کارنامہ انجام دے رہے ہیں!''

Marfat.com

اس کہانی سے کچھ سوالات بھی جنم لیتے ہیں جن کا جواب دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا، سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ مرید کی اپنے مرشد سے پہلی ملاقات تھی؟ اس کا جواب تو سادہ اور صاف ہے کہ نہیں؟ اگر یہ پہلی ملاقات نہیں تھی تو پھر تعارفی یا پہلی ملاقات کہاں ہوئی ہوگی؟ کیا یہ پہلی ملاقات مرشد کے شہر خُتّل یا ان کے وطن بلادِ ختلان میں ہوئی؟ اس کا جواب حالات کے تقاضے کے مطابق تو نفی میں ہی ہے کیونکہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے وہ علم وفضل اور وہ تقویٰ اور تقدس کا حصول علمی و روحانی مراکز عرب کے بغیر ممکن نہ تھا جس نے حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کو شام کے مفسر ومحدث کا مقام عطا کر کے تمام اہل علم وفضل اور اہل تصوف وطریقت کو ان کا گرویدہ اور مداح بنا دیا تھا جن میں مرشد لاہور بھی شامل تھے! اس لئے صاف ظاہر ہے کہ مرشد ومرید کا تعارف اور پہلی ملاقات بھی شام ہی میں ہوئی ہوگی تو پھر حضرت خُتلی بلاد آذربائیجان میں کیونکر تشریف لے گے تھے؟ کیونکہ بلاد آذربائیجان نہ حضرت خُتلی کا وطن اول تھا اور نہ حضرت داتا صاحب کا یہ وطن ثانی تھا، تو پھر اسلامی دنیا کے اس دور دراز گوشے میں یہ دونوں - مرشد ومرید - دعوت اسلام اور پیغام حق کے لئے مشترکہ تبلیغی سفر پر نکلے ہونگے، بلاد عجم میں ایسے اور بھی کئی ایک مشترکہ سفر ہوئے ہوں گے مگر وہ کشف المحجوب میں درج نہ ہوسکے اور تنگیءداماں کی نذر ہوگئے!

اگر ہمارا یہ استنتاج درست ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ بلاد شام میں جس طرح مرشد ومرید کے کئی ایک مشترکہ اسفار کا سوراغ ملتا ہے اسی طرح بلاد عجم میں بھی مزید مشترکہ سفر ہوئے ہونگے؟! تاہم ایک بات واضح ہے کہ ان تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ بہت پرانا اور بہت طویل مدت تک رہا ہوگا اور اگر ختل یا بلاد ختلان کے بجائے یہ سلسلہ بلادِ شام ہی میں قائم ہوا ہوگا، تو اس صورت میں دوسرے سوال کا جواب یہی بنے گا کہ شیخ اپنے وطن اول اور شاگرد کے وطن ثانی - بلاد عجم یا ماوراء النہر - کی سیاحت کے لئے آئے ہوں گے اور آذربائیجان میں مقیم ہوں گے جہاں اپنے مرشد ومعلم کا ساتھ دینے اور خدمت کرنے کے لئے مرشد لاہور بھی حاضر

Marfat.com

ہوئے ہوں گے، اس صورت میں بھی دونوں کے باہمی تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ پرانا اور طویل ہی ہوگا کیونکہ سید ہجویر کا متعدد بار شام جانا بھی رہا تھا اور اپنے مرشد سے آخری ملاقات بھی دمشق کے قریب شام کے ایک گاؤں بیت الجن میں ہی ہوئی تھی جہاں شیخ کا قیام تھا۔ اور شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت بھی داتا صاحب اپنے مرشد کے پاس حاضر تھے اور ظاہر ہے آذربائیجان میں خدمت کے لئے حاضری اس سے بہت پہلے کا واقعہ ہے!!

اس سیدھی سادی کہانی سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی خلافت کی حدود میں مسلم صوفیائے کرام کی آمد و رفت تو عام تھی اور وہ اسلام کے سفیر بنکر دعوت دین اور اصلاح معاشرہ کی تبلیغی سرگرمیاں تو جاری رکھے ہوئے تھے داعیان حق کے باہمی تبادلہ خیالات، تبادلہ معلومات اور استفادہ کے علاوہ غلط روش پر چلنے والے جعلی صوفیوں کی منفی سرگرمیوں اور تصوف اسلامی کو بدنام کرنے میں ناپاک جسارتوں پر مواخذہ بھی اسلام کی چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا!

ہمارے اس دعوے کے لئے کہ حضرت داتا صاحب کو اپنے پیر روشن ضمیر سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی، نیز یہ کہ وہ بلاد عرب و عجم میں موقع بموقع اپنے مرشد و مربی کی صحبت کو ہمیشہ نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے تھے اور ان کے وطن ثانی۔ بلاد شام۔ سے بے حد مانوس تھے، کشف المحجوب کے صفحات میں شواہد و دلائل تلاش کئے جا سکتے ہیں جو بکثرت دستیاب بھی ہیں، سید ہجویر کا وہ مبارک خواب جس کی تفصیل آگے آتی ہے اور جو انہوں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دیکھا تھا اور جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پروقار سفید ریش آدمی کو گود میں اٹھائے ہوئے باب بنی شیبہ سے بیت اللہ شریف میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور دریافت کرنے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے مرشد لاہور کو یہ بتایا تھا کہ یہ امام وفقیہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جو تیرے وطن۔ بلاد ماوراء النہر و جنوبی ایشیا۔ کے امام وفقیہ ہیں! اس خواب کا منظر و محور بھی ان کے پیر و مرشد حضرت ختلی شامی رحمۃ اللہ علیہ کا

Marfat.com

وطن مالوف و مانوس ملک شام ہی تھا! شہر دمشق کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ خلافت بنی امیہ کا دار الحکومت یا دار الخلافہ تو تھا ہی جہاں سے محمد بن قاسم ثقفی قتیبہ بن مسلم الباھلی اور موسی بن نُصیرُ یا طارق بن زیاد البربری رحمہم اللہ، کے عساکرِ مجاہدین کو احکام جہاد ملے تھے اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں خلافت اسلامیہ کی حدود مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں پھیل گئی تھیں (۲۲) مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی شہر دمشق اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن بھی رہا اور صدیوں سے ان مقدس ہستیوں کی ایک جماعت کا مدفن بھی ہے!

شہر دمشق کا ایک دروازہ باب صغیر کہلاتا ہے، اسی دروازے کے نام سے وہ تاریخی مقبرہ بھی ہے جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مزارات ہیں، انہی میں مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار بھی ہے (دمشق میں حضرت بلال کے دو مزار ہیں ایک تو یہی باب صغیر والا ہے مگر ان کا دمشق ہی میں ایک اور مزار بھی ہے جو دمشق کے معہد الفتح الاسلامی کی حدود میں ہے، ۲۰۰۹ء میں جب مجھے شہر دمشق کی زیارت کا تیسرا موقع ملا تو اس عظیم ادارہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا، اس کے وائس چانسلر ڈاکٹر حسام الدین فرفور ہیں جنہوں نے شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور بعد میں اسی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے پی ایچ ڈی بھی کی، ڈاکٹر حسام الدین فرفور نے اپنے کیمپس میں موجود اس ''دوسرے مزار بلالی'' کی نشاندی کی اور یہ بھی بتایا کہ محققین کی رائے میں اصل مزار یہی ہے، واللہ اعلم بالصواب!) مشہور یہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ باب صغیر کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں، یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا تاہم قابل ترجیح یہی ہے کہ سید ہجویر علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ اسی مزار میں مصروف ذکر و دعا تھے کہ سو گئے اور خواب میں دیکھا جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں (۲۳):

''ومن كه على بن عثمان الجلابى ام. وفقنى الله. به شام بودم
برسر خاکِ بلال. مؤذن رسول، عليه السلام، خفته، خودرا

بمکہ دیدم اندر خواب ، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدی و پیری راانـدر کنار گرفتہ چنانکہ اطفال را گیرند بشفقت ......الخ"

''میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، خدا مجھے توفیق بخشے، ملک شام میں تھا اور مؤذن رسول علیہ السلام حضرت بلال کی قبر کے سرہانے سو گیا تھا ، میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں ہوں ، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے ہیں ایک بوڑھے بزرگ کو یوں گود میں لئے ہوئے تھے جس طرح شفقت کے ساتھ بچوں کو گود میں اٹھایا جاتا ہے۔ میں دوڑ کر آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومے، میں حیران تھا کہ یہ کون ہیں اور یہ کیا ماجرا ہے، آپ ﷺ معجزانہ طور پر میرے دل کی بات سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تیرے اور تیرے ہم وطنوں کے امام ہیں !''

حضرت مرشد لاہور، علیہ الرحمۃ ، کے دل میں حضرت امام اعظم کا جو مرتبہ اور مقام ہے ان کے علم وفضل اور تقویٰ وصلاح سے انہیں جو عقیدت ہے اس کا ایک عملی ثبوت یہ ذکر خیر ہے جو کشف المحجوب کی زینت ہے لیکن یہ خواب اور اس کے مضمرات اس سب کچھ کی تاکید مزید بھی ہے لیکن خواب کی اس کہانی سے ہمارا اصل مقصود اپنے مرشد کے وطن ثانی بلاد شام اور مرکز و دار الحکومت شہر دمشق سے حضرت داتا صاحب کا انس و الفت ہے جس کے اظہار سے کشف المحجوب کے صفحات لبریز ہیں، شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی کے مرید صادق و مخلص ابوالحسن جلابی کی عقیدت و محبت جگہ جگہ جھلکتی نظر آتی ہے لیکن اس قسم کی بکھری ہوئی مزید جھلکیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اس تذکرہ خصوصی یعنی مستقل فصل کا مطالعہ زیادہ مفید اور مناسب سمجھتے ہیں جسے حضرت داتا ، علیہ الرحمۃ ، نے اپنی زندہ جاوید کتاب تصوف کی زینت

Marfat.com

بنایا ہے اور جس سے کشف المحجوب کے قارئین کرام خود بھی آگاہ ہیں،

اس ذکر خیر کے افتتاح (۲۴) میں تراکیب اضافی قابل توجہ ہیں اور وہ ہیں ''زینِ اَوتادو شیخ عُبّاد'' لفظی ترجمہ تو ظاہر ہے یعنی ان اولیاء اللہ کی زینت ہیں جنہیں اہل تصوف کی زبان میں ''اوتاد'' کہتے ہیں، یہ وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: وہ میخ یا کیل یا کھونٹا جس کے سہارے کوئی چیز قائم رہتی ہے روحانیت و طریقت کی زبان میں وتد (جمع اوتاد) وہ ولی اللہ ہے جس کے سپرد نظام کائنات کو سہارا دینا ہے، گویا ایسے منصب روحانی کے حامل اولیاء اللہ کے لئے حضرت ختلی باعث زینت و جمال ہیں، دوسری ترکیب اضافی یعنی ''شیخِ عُباد'' کا مطلب ہے عبادت گزاروں کے امام اور قائد، حضرت داتا صاحب کی طرف سے اپنے مرشد و معلم کے لئے یہ بڑی ستائش اور خراج تحسین ہے، اولیاء اللہ کے تذکروں کے مصنفین کی یہ مالوف عادت اور علمی روایت ہے کہ وہ ہر ولی کے ذکر خیر کے آغاز میں خطابات والقاب کی شکل میں اپنی بات کا ایسی تراکیب سے افتتاح کرتے ہیں، ایسی تراکیب میں عموماً سجع و قافیہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، حِلیَۃ الاولیاء (ولیوں کا زیور یا زیب و زینت) کے مصنف امام ابونعیم الاصفہانی کو اس فن کا ماہر بلکہ مالک و بادشاہ سمجھنا چاہئے!

اس تذکرہ کے صرف تین سطری پیرے میں سید ہجویر اپنے مرشد کی شخصیت کے چھ پہلو پیش فرما کر اپنی فصاحت و بلاغت کے جھنڈے گاڑھ دیتے ہیں:

(۱) یہ کہ وہ خود حضرت ختلی کے مرید ہیں۔

(۲) شیخ ختلی ایک مفسر قرآن اور محدث تھے۔

(۳) سلسلہ جنیدیہ سے منسلک تھے۔

(۴) وہ ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری کے مرید تھے۔

(۵) انہیں کس کس کی صحبت اور رفاقت یا معاصرت کا شرف حاصل تھا۔

(۶) ان کے ہم پلہ معاصر کون تھے! مرشد لاہور نے اختصار و ایجاز میں کمال کر دکھایا ہے

Marfat.com

جو فصاحت و بلاغت کی دنیا میں بہت بڑا حسن و جمال اور خوبصورتی و کمال متصور ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سید ہجویر کو فارسی شیریں پر بڑا عبور اور قدرت حاصل تھی !! آیئے بلاغت میں مرشد لاہور کی سادگی و پرکاری آپ بھی ملاحظہ فرمایئے ارشاد ہوتا ہے (۲۵):

''اقتدای من دریں طریقت بدوست ، عالم بود به علم و تفسیر وروایات (حدیث) وا ندر تصوف مذهب جنید داشت ، ومرید حصری بود، و صاحب سیروانی بود، واز اقران ابو عمرو قزوینی بود و ابوالحسن سالبه !''

''یعنی اب اگر میں اس آسان عبارت کو اردو میں ڈھالوں تو آپ کی بلند ذوقی پر بھی گراں گذرے گا! بلکہ کچھ کچھ ترجمہ ابھی گذرا بھی تو ہے اور شاید یہ خود مرشد لاہور کی روح پاک کے لئے بھی ناگواری کا باعث ہو۔ لہٰذا داتا صاحب کی یہ فارسی خود پڑھیئے ، سنئے اور سر دھنئے !''

اس کے بعد والے پیرے میں حضرت داتا صاحب اپنے پیرو مرشد کی بحیثیت ایک سچے اور سچے صوفی کے، تصویر کشی کرتے ہیں اور جس قدر یہ قلمی تصویر حسن و جمال کی آئینہ دار اور پرکشش ہے اس سے کہیں زیادہ شام کے صوفی، مفسر و محدث حضرت ختلی کی شخصیت قاری کے لئے دلاویز اور محبوب دکھائی دیتی ہے، یہ قلمی تصویر جہاں لکھنے والے کے قلم کی کرشمہ سازی کی آئینہ دار ہے وہاں مرید و تلمیذ کی اپنے مرشد و استاذ کے لئے والہانہ محبت اور گہری عقیدت کی ترجمان بھی ہے آیئے اس عبارت کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت داتا صاحب کی عبارت کا اردو ترجمہ یوں ہے (۲۶)۔

''وہ ساٹھ سال تک ایک پکے گوشہ گیر اور عزلت پسند کی حیثیت سے (کوہِ لکام کے) مختلف گوشوں میں مارے مارے پھرتے رہے حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اپنا نام بھی محو

Marfat.com

کروادیا تھا، آپ کا زیادہ وقت آج کے لبنان کے کوہِ لکام (جو کبھی شام کا ہی پہاڑ تھا) میں چھپتے چھپاتے بسر ہوا تھا، آپ کی زندگی ایک صالح انسان کی زندگی تھی، آپ کی کرامات اور ولی ہونے کے دلائل وعلامات بہت ہیں مگر ظاہری صوفیانہ لباس اور متکلفانہ عادات سے وہ کنارہ کش اور دور رہتے، بلکہ دکھاوے کے لئے صوفیانہ لباس اور زاہدانہ روش اپنانے والوں سے تو وہ بے حد ترش روئی سے پیش آتے تھے، میں نے ان سے بڑھ کر پرہیبت اور جلالی صوفی کہیں نہیں دیکھا!''

حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں شیخ ختلی کا ایک عربی جملہ نقل کیا ہے جو عربی فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور زبان عرب پر کمالِ قدرت اور عبور کی دلیل ہے، یہ جملہ تصوف کی دنیا میں اب ایک عربی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ'' اَلدُنیا یَومٌ وَلَنا فیھا صَومٌ '' کہ یہ دنیائے فانی ایک روز ہے اور ہم نے اس ایک روز کو بھی روزہ بنا چھوڑا ہے! یعنی ہم دنیا کو راہ خدا میں بڑھنے کے لئے ایک رکاوٹ کا مرحلہ تصور کرتے ہیں اس لئے ہم نے تو اس سے بھی اعراض کی روش اپنا رکھی ہے!''

اپنے پیرو مرشد کے کشف وکرامات کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی ایک ہڈ بیتی یا ذاتی مشاہدہ وتجربہ کا سہارا لیتے ہوئے سید ہجویر فرماتے ہیں (۲۷)۔

''ایک دفعہ میں حضرت ختلی کو وضو کرانے کے لئے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا، میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جب سب کچھ تقدیر اور قسمت کا لکھا ہے تو پھر آزاد لوگ خود بخود استادوں یا پیروں کا خادم اور غلام کیوں بنتے ہیں؟! شیخ نے کہا: بیٹا مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہے تھے! مگر یاد رکھو کہ ہر حکم کا ایک سبب ہوتا ہے، جب حق تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ایک گنوار یا اجڈھ کے بچے کے سر پر عزت وعظمت کا تاج رکھنا ہے تو اسے توبہ کر کے راہ راست پر آنے اور اپنے کسی ولی کی خدمت انجام دینے کی توفیق دے دیتے ہیں تاکہ یہ خدمت انجام کار اس کے لئے عزت وعظمت کا زینہ یا سبب اور وسیلہ بن جائے!''

Marfat.com

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرشد و استاذ نے ان پر عزم الفاظ سے اپنے شاگرد و مرید کے دل میں کیا ولولہ پیدا کر دیا ہوگا؟! اپنے مرید کو محض شرمندہ کرنے کے بجائے اس میں مستقبل کا سید ہجویر اور مرشد لاہور بننے کی تڑپ پیدا کر کے آنے والے وقتوں اور مراتب و مقامات کے حصول کی پیشن گوئی بھی فرما دی! اہلِ کمال کے یہی تو کمالات ہوتے ہیں۔

اسی مرد خلیق کا یہی حسن اخلاق اور حسن تعبیر تھا کہ جس نے مرید کے دل میں اپنے مرشد کے لئے عقیدت و محبت، احترام و اکرام کے جذبات دو بالا کر دئے اور حسن کلام و جمالِ قلم کی ایک دنیا جگادی! پھر کیا تھا؟ کشف المحجوب وجود میں آگئی اور دنیا کے لئے منکشف ہو گیا کہ حضرت شیخ ختلی زین اوتاد بھی تھے اور شیخ عباد بھی!! اس طرح چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور انسانیت کی راہیں روشن تر ہوتی جاتی ہیں! ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ برملا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تو ایک معمولی سا واقعہ ہے، شیخ کے ہاں تو ایسے لطائف و کمالات کا معمول تھا بات یوں مکمل ہوتی ہے؟: اور یہ اس مستقل فصل کا تقریباً اختتام ہے کہ (۲۸):

''و مانند ایں بسیار لطائف ہر روز از وی بہ ما ظاہر شدی''

یہ اتفاق تھا یا سید ہجویر کی بکثرت زیارات شیخ کی کرامت تھی کہ دم آخر میں بھی وہ اپنے شیخ کے قدموں میں تھے؟! اس موقع پر مرشد نے مرید کو فراق اور جدائی کا غم کھانے کے بجائے ایک نہائت کار آمد اور قیمتی وصیت سے ان کے دامن کو مالا مال کر دیا جسے مرشد لاہور نے پلے باندھ لیا اور کچھ یوں ضبط تحریر کا رنگ دے دیا (۲۹)۔

''جس روز ان کی وفات کا مرحلہ آیا تو آپ اس وقت بیت الجن، شام کی ایک پرانی پہاڑی بستی میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے جو عقبہ کے اوپر شہر برنیاس اور دمشق کے درمیان واقع ہے، آپ کا سر میری گود میں تھا، میرا دل بہت رنجیدہ تھا کہ ایک یار غمگسار و مددگار جدا ہونے کو ہے، انسانی فطرت ہی یہی تقاضا کرتی ہے، مگر انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

'' بیٹے یہ اعتقاد کی بات ہے جو میں تم سے کہنے لگا ہوں، اگر اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لو گے تو تمام دکھوں سے نجات پاؤ گے، یہ جان لو کہ ہر جگہ کے اچھے یا برے حالات خدائے عزو جل کے قبضہ ءقدرت میں ہوتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کے کام میں مت دخل دو اور نہ دل کو رنجیدہ کرو'' شیخ نے اس وصیت کے علاوہ اور کچھ نہ فرمایا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرمائی، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو، وہ ان سے راضی ہو اور اپنی خوشنودی سے انہیں سیراب و سرفراز فرمائے، وہی ہے جو اپنے بندوں کے احوال بہتر جانتا ہے!''

انبیاء کرام کے معجزات برحق ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان لانا لازم ہے، معجزہ نبی کے دعوے کی خدائی تائید و تصدیق ہوتی ہے، غیر انبیاء میں سے بندگانِ حق اور اولیاء اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب بندوں) کے معجزات نہیں ہوتے بلکہ کرامات ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی ولایت کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی اسے نبی کی طرح لوگوں کو ہدایت کے لئے براہ راست حکم دیا جاتا ہے نبی و رسول کے برعکس اللہ تعالیٰ انہیں ولی بنائے جانے سے آگاہ بھی نہیں فرماتے مگر اللہ تعالیٰ اپنے ولی یا دوست اور محبوب کا بھی تحفظ فرماتے ہیں اور اس کے ہاتھ پر خرقِ عادت واقعات ظاہر کرتے ہیں جنہیں کرامات کہا جاتا ہے، گویا نبی و رسول کا معجزہ ہر حال میں ظاہر ہونا ہوتا ہے، اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا یعنی پکی اور یقینی بات ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کرتے ہیں (۳۰)، جبکہ اپنے اولیاء کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب بندوں کو کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم (۳۱) نبی معصوم ہوتا ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ہر برائی اور ہر گزند سے ہر حال میں بچانا ہوتا ہے، جبکہ اولیاء اللہ سے یہ وعدہ ہے کہ خوف اور غم ان کے لئے نہیں ہے، البتہ اولیاء کو اس نے ہر برائی یا گزند سے ہر حال میں بچانا نہیں ہوتا۔ حضرت داتا صاحب انبیاء کے لئے عصمت (یقینی اور ہر حال میں بچاؤ کی صورت نکالنا) کا لفظ استعمال کرتے ہیں جبکہ اولیاء اللہ کے لئے حفاظت (بچانا مگر ہر حال میں نہیں) کا لفظ لاتے ہیں اس طرح ان کے نزدیک نبی معصوم ہوتا ہے جبکہ ولی محفوظ ہوتا ہے، معجزاتِ

Marfat.com

انبیاء اور کراماتِ اولیاء قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہیں اور از روئے عقل ان کا ثبوت اور جواز بھی داتا پیر پیش فرماتے ہیں اور پھر اسی ضمن میں وہ اپنے مرشد ومعلم حضرت ابوالفضل ختلیؒ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلے کے اولیاء اللہ کی کرامات کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

ایک جگہ (۳۲) وہ اپنے مرشد کے ہمراہ اپنے ایک سفر کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بارش کا موسم تھا، میں اپنے شیخ کے ہمراہ بیت الجن سے دمشق کے لئے جا رہا تھا، پھسلن اور کیچڑ کے باعث ہمراہیوں کے لئے چلنا دشوار ہو گیا تھا مگر ہم نے دیکھا کہ ہمارے شیخ کے جوتے اور پائجامہ بالکل خشک ہیں، میں نے تعجب سے زبان ہی کھولی تھی کہ حضرت شیخ نے فرمایا: ہاں! جب سے میں نے توکل علی اللہ اختیار کر کے اوہام اور وساوس شیطانی کو دل سے نکال پھینکا ہے اور پھر اس روش پر سختی کے ساتھ ثابت قدم ہو گیا ہوں اس وقت سے حق تعالیٰ نے میری روش کو اپنی نگاہ میں رکھا ہوا ہے (کہ اولیاء اللہ کے لئے خوف ہے نہ غم! جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو پھر اس کے لئے نگاہ خداوندی ہی کافی ہے (۳۳)۔

انبیائے کرام، علیہم السلام، منکرین حق کو معجزہ کا چیلنج بھی دیتے ہیں اور جب منکرین حق معجزہ کے طالب ہوں تو بھی معجزہ کا ظہور میں آنا لازم ہے، لیکن اولیائے کرام نہ تو اپنی کرامت کا منکرین کو چیلنج دے سکتے ہیں اور نہ ان کے طلب کرنے پر کرامت کا اظہار کرتے ہیں، اولیاء کا کام صرف یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کا خوف ہو اور نہ کسی کا غم اور نہ کوئی خدشہ ہو، مرشدِ لاہور بھی کرامات اولیاء کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں، فرماتے ہیں (۳۴):

''واظہار کرامت بر اولیاء کرامتی دیگر بود، وشرط آن کتمان است نہ اظہار بتکلف
یعنی اولیائے کرام کے ہاتھ پر کرامت کا اظہار بھی خود اپنی جگہ ایک کرامت ہوتی ہے اور اس میں بناوٹ کے ساتھ کرامت کے اظہار کے بجائے چھپانا بہتر ہے'' لیکن ان کے پیرومرشد شیخ ختلی کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی ولی اپنی سچائی کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے ولایت

Marfat.com

وکرامت کا اظہار کرے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہاں اگر وہ تکلف کر کے اپنی ولایت و کرامت کا دعویٰ کرے یعنی اپنی ولایت کی ڈینگ مارنا یا دھونس جمانا چاہے تو اسے رعونت و تکبر کہا جائے گا! داتا صاحب اپنے شیخ کے الفاظ نقل کرتے ہیں (۳۵)۔

''اگر ولی ولایت ظاہر کند، وبدان دعوی کند مرصحت حالش را، زیان ندارد، اما تکلف وی بہ اظہارِ آن رعونت باشد! یعنی اگر کوئی ولی اپنی ولایت ظاہر کرے اور اسے اپنی صحت اور صداقت کا دعویٰ ہو تو کوئی نقصان یا حرج کی بات نہیں مگر تکلف اور ڈھٹائی سے کوئی ولایت ظاہر کرے تو یہ رعونت و غرور ہے!''

کوئی ولی اللہ نہ تو براہ راست من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے نہ اس پر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ نبی من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے اور اس پر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی بھی لازم ہوتی ہے اسی لئے معجزانہ تائید الٰہی بھی برحق ہوتی ہے اور اسے ماننا، اس پر ایمان لانا اور اس کا ساتھ دینا بھی سب پر واجب ہوتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ ولی، اس کی ولایت یا کرامت کی وہ حیثیت نہیں ہوتی جو نبی، اس کی نبوت یا معجزہ کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی فضیلت اور برتری بھی مسلم ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت داتا اور ان کے مرشد حضرت ختلی سمجھا رہے ہیں.

مخدوم و مرشد لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے صفحات میں جہاں اپنے سلسلہ جنیدیہ، اس کے شیخ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے خلفاء و اُتباع کا بکثرت ذکر کیا ہے وہاں اپنے پیر و مرشد حضرت خُتلی کا بھی کثرت سے ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال وارشادات بھی نقل کئے ہیں، یہ ذکر خیر اور یہ اقوال و ارشادات جہاں مفسر و محدث شام حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ،فکر اور علمی مقام کو اجاگر کرنے اور سمجھنے میں مدد دیتے ہیں وہاں ان سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مرید اور مرشد کی ملاقات کے سلسلے خاصے طویل رہے تھے اور باہمی روابط خلوص اور پختگی کا رنگ لئے ہوئے تھے، اُستاذ کی شاگرد

Marfat.com

سے شفقت و محبت بہت زیادہ تھی اور مرید کے دل میں بھی اپنے شیخ سے محبت بہت گہری تھی اور دل میں ان کا بیحد احترام تھا، اس سب کچھ کا احاطہ تو مشکل ہے مگر ایک جائزہ ممکن ہے جو کفایت کرے گا!

اہل تصوف کے ہاں صحو (ہوش میں رہنا، بیدار رہنا) اور سُکر (نشے میں رہنا، مست ہونا) دو حالتیں یا دو کیفیات ہیں، بعض بزرگ صحو کو پسند کرتے اور اسے قابل فضل و ترجیح قرار دیتے ہیں جبکہ بعض سکر کے قائل ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں، سیدالطائفہ اور سردار صوفیاء حضرت جنید بغدادی صحو کے قائل ہیں اور سید ہجویر نے صحو و سکر پر مفصل بحث کی ہے اور کتاب و سنت سے استشہاد کرتے ہوئے سلسلہ جنیدیہ کے مسلک صحو کو ہی ترجیح دی ہے (۳۶م) اور بتایا ہے کہ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی تقاضا ہے:

''یہ سب باتیں صحو کے سوا اور کسی حال میں بھی درست نہیں معلوم ہوتیں مگر شاید اہل سکر کو ان حقائق سے آگاہی حاصل نہیں ہے، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام (دیدار الٰہی کے نشے میں مست تھے گویا) حالت سکر میں تھے، اس لئے جلوہ ربانی کے صرف ایک اظہار کی بھی تاب نہ لا سکے اور ہوش کھو بیٹھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حالت صحو میں تھے اس لئے مکہ مکرمہ میں دیوار بیت اللہ سے لیکر قاب قوسین کے مقام تک ہر جگہ نور ربانی کے جلوے ہی جلوے تھے مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحہ اور ہر قدم ہوشیار سے ہوشیار تر اور بیدار سے بیدار تر رہے!''

اس موقع پر مرشد لاہور نے عربی کے ایک خوبصورت شعر سے استشہاد کرتے ہوئے اور صحو کا مفہوم واضح کرتے ہوئے دلچسپ سامان باندھ دیا ہے:

شَرِبتُ الراحَ كأساً بعدَ كأسٍ
فَما نَفِدَ الشرابُ وَما رَوِيتُ

ترجمہ: ''میں شراب کا پیالے پر پیالہ انڈیلتا چلا گیا مگر نہ تو شراب ختم

Marfat.com

ہوئی اور نہ میری تشنگی دور ہو سکی!''

یعنی نور ربانی کی تجلیات یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتی رہیں مگر نہ تو اللہ کے نور کی تجلیات ختم ہوئیں (کہ یہ سلسلہ تو ازل تا ابد ہے) اور نہ مصطفیٰ صلی اللہ اپنے رب کے جلوے دیکھ کر سیر ہو پائے۔

اس کے بعد فوراً اس ضمن میں اپنے مرشد کا قول نقل کرتے ہیں جو یقیناً نہلے پر دہلے کے مترادف ہے، فرماتے ہیں (۳۷):

"وشیخ من گفتے، وی جنیدی مذهب بود، که سکر بازیگاهِ کو دکان است و صحو فنا گاه مردان!

''یعنی میرے شیخ نے فرمایا تھا، اور وہ تو جنیدی مسلک رکھتے تھے کہ سکر تو بازیچہ اطفال یا بچوں کا کھیل ہے جبکہ صحو مردان شہسوار کا مقتل یا قتل گاہ ہے!''

اور سب سے آخر میں مرشد لاہور کا اپنا تبصرہ ہے جو یقیناً مسک الختام کا درجہ رکھتا ہے چنانچہ سکر پر صحو کو فضیلت دیتے ہوئے فرماتے ہیں (۳۸):

''ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام، می گویم، بر موافقت شیخم۔ رحمۃ اللہ علیہ، کہ کمالِ حالِ صاحب سکر صحو باشد و کمترین درجہ اندر صحو رؤیت بازماندگی بشریت بود، پس صحوی کہ آفت نماید بہتر از سکری کہ عین آن آفت بود! یعنی میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، یہ کہتا ہوں کہ میں اپنے شیخ، رحمۃ اللہ علیہ، کے سلسلہ طریقت سے اتفاق کرتا ہوں اور ان کا پیروکار ہوں، سکر کا مسلک اختیار کرنے والے صاحب حال صوفی کے لئے جب کمال کا مرحلہ آتا ہے تو وہ بھی تب آتا ہے جب وہ صحو کے درجہ میں پہنچ چکا ہوتا ہے اور صحو میں صاحب طریقت صوفی کا سب سے کم درجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بشریت کی پس ماندگی دکھائی دے، گویا وہ صحو جو آفت بن جاتا ہے اس سکر سے پھر بھی بہتر ہے جو عین آفت ہوتا ہے!''

Marfat.com

اب ہم ایک ایسی کہانی کو لیتے ہیں جس کے راوی خود شیخ ختلی ہیں اور اسے سید ہجویر نے اپنی کشف المحجوب کی زینت بنایا ہے، یہ کہانی دلچسپ اور حیرت انگیز تو ہے ہی مگر عراق و شام بلکہ بلادِ عرب کے اصحاب طریقت اور ارباب تصوف کی ایک عادت اور روایت بھی بن چکی ہے اور اس پر آج بھی عرب دنیا کے صوفی عمل پیرا ہیں (ڈاکٹر ابو الوفاء تفتازانی سابق ڈپٹی وائس چانسلر قاہرہ یونیورسٹی سے ۱۹۷۷ء میں اسی یونیورسٹی میں میری ملاقات ہوئی تھی، ڈاکٹر تفتازانی مرحوم بہت بڑے محقق اور سکالر بھی تھے، اہل علم و تحقیق جانتے ہیں کہ انہوں نے شیخ اکبر ابن عربی کی فتوحات مکیہ ایڈٹ کرنے اور اس کی فنی فہارس تیار کرنے میں اپنی تمام عمر صرف کر دی مگر فتوحات کا یہ ایڈیشن محققین کی دنیا کے لئے ایک معجزہ سے کم نہیں!) ۱۹۷۷ء میں مجھے ڈاکٹر تفتازانی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور پتہ چلا کہ وہ مصری صوفیوں اور اہل طریقت کی انجمن کے صدر بھی ہیں، کشف المحجوب کی اس کہانی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عرب دنیا کے صوفی بزرگ نہ صرف متحد و متفق ہوتے ہیں بلکہ منظّم بھی ہوتے ہیں! اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ ختلی شامی جیسے بزرگ بھی اپنے شاگردوں اور مریدوں کو اپنے سلسلہ کی روایات سے آگاہ رکھتے تھے، حضرت داتا صاحب اپنے شیخ کی زبانی یہ کہانی یوں نقل کرتے ہیں (۳۹):

''میرے شیخ نے بتایا کہ: ایک سال ایک صحراء میں اولیاء کرام کا اجتماع ہوا، میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ مجھے بھی وہاں اپنے ساتھ لے گئے، وہاں میں نے صوفیاء کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آ رہے ہیں، ایک دوسرے گروہ کو تخت پر بٹھا کر لایا جا رہا ہے، ایک تیسرا گروہ ہے جسے ہوا میں اڑا کر لایا جا رہا ہے، الغرض آنے والا ہر صوفی اسی نوع کی شان و شوکت کے ساتھ آ رہا تھا، حضرت حصری نے ان میں سے کسی کی کوئی پروانہ کی آخر کار میں نے ایک جوان صوفی کو آتے دیکھا، نعلین یا کھڑائیں ٹوٹی ہوئی تھیں لاٹھی بھی ٹوٹی ہوئی اور اس کے پاؤں بھی شکستہ لگے، ننگے سر، جسم کے حصے جیسے جلے ہوئے ہوں

Marfat.com

، حضرت حصری چھلانگ لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اسے ایک اونچے درجے میں بٹھایا، مجھے بڑا تعجب ہوا، بعد میں میں نے حضرت شیخ سے پوچھا تو وہ فرمانے لگے: ''یہ صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جو کسی ولایت یا گدی کا وارث اور پیروکار نہیں ہے بلکہ ولایت اس کی وارث اور پیروکار ہے، اور اس کا کرامات سے کوئی سروکار نہیں ہے!''

اس کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے اور کرامات اولیاء کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سید ہجویر فرماتے ہیں (۴۰): ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے لئے ہم جو بھی روش منتخب کریں وہ ہمارے لئے ایک مصیبت اور آزمائش ہوگی، میری تو اس ضمن میں یہی آرزو ہے کہ حق تعالیٰ اس سلسلے میں ہمیں ہر مصیبت و آزمائش سے بچائے اور نفس کے شر سے ہمارا چھٹکارا کرائے اگر وہ ہمیں قہر کے دائرے میں رکھے تو لطف کی تمنا نہیں کریں گے، اور اگر وہ اپنے لطف کے دائرے میں رکھے تو قہر کا ارادہ نہیں کریں گے! کیونکہ مجھے ذات باری کے اختیار پر کوئی اختیار نہیں ہے، توفیق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہمیں تو اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین ساتھی ہے!''

حضرت امام خُتلی، رحمۃ اللہ علیہ، کو ہماری علمی و ادبی تاریخ ایک مفسر قرآن اور معتبر عالم حدیث کے رنگ میں پیش کرتی ہے اور وہ ہمارے صوفی مفسرین و محدثین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، مرشد لاہور نے بھی ان کی انہی دو امتیازی علمی خوبیوں کو نمایاں کیا ہے مگر وہ انہیں روحانی دنیا کے زین اوتاد اور شیخ عُبادیعنی اللہ تعالیٰ کے نظام روحانیت کے اوتاد (سہارنے، تھامنے اور پختگی کے ساتھ سنبھالنے والوں) کی زینت اور رونق قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ذکر اللہ اور عبادت میں وہ ہمہ تن مصروف رہنے والوں کے بھی معلم و امام تھے جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے (۴۱) لیکن حضرت خُتلی کے متعلق ہمارا یہ مطالعہ چونکہ صرف کشف المحجوب کے صفحات تک ہی محدود ہے اس لئے علوم شریعت و طریقت کے ضمن میں ان کے وہی ارشادات و افادات سامنے رکھنا ہیں جو اس عظیم الشان و زندہ جاوید کتاب کے

Marfat.com

نشیب وفراز میں یوں بکھرے پڑے ہیں جس طرح کسی بحرِ زخار میں موتی بکھرے پڑے ہوں مگر ان کو چننا اور پرونا کسی حوصلہ مند غوطہ زن اور ہنرور کاریگر کا کام ہے، ہمارے جیسے ڈرنے جھجکنے والے کو تو وہی موتی نظر آئیں گے جن کی چمک دمک دور سے بہ آسانی نظر آئے گی اور پھر انہیں پرونا اور سجانا تو اس سے بھی کہیں زیادہ دشوار اور پیچیدہ کام ہے جو ایک عام سے معمولی سے قلم کے بس میں نہیں! لیکن یہ جو اسلاف عرب نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے کہ ''مَا لَا یُدرَکُ کُلُّہٗ، لَا یُترَکُ کُلُّہٗ'' یعنی جس چیز کو مکمل طور پر سمیٹنا ممکن نہ ہو اسے بالکل ہی تو نہیں نا چھوڑا جاتا! اس لئے یاران نکتہ داں اور ماہرین شناوری کے کہنہ مشق اہل ہنر کے لئے صلائے عام اور دعوت مدام کا سہارا لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں!

قبض (خوشی کا چھن جانا اور اس کی جگہ حزن ورنج کا چھا جانا) اور بسط (خوشی سے دل کا کھل جانا اور رنج وغم کو بھول جانا) سالکیں راہِ حق کی دو کیفیات اور احوال ہیں، ان دونوں میں سے جو ایک بھی کسی سالک طریقت پر مسلط ہو جائے اسے چھوڑتی نہیں، ان میں سے ہر حالت اور ہر کیفیت قادر مطلق کے دستِ تصرف میں ہے اس میں کسی کی اپنی مرضی یا اختیار کو کوئی دخل نہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے قابض اور باسط بھی ہیں، اسی طرح قاھر اور لطیف بھی انہی صفاتی ناموں میں سے دو نام ہیں، کچھ ارواح سالکین اللہ تعالیٰ کے قہر سے خوف زدہ ہو کر قبض کی کیفیت اور حالت سے دوچار ہو جاتی ہیں، جبکہ بعض ارواح سعیدہ ایسی ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لطف میں ڈوب جاتی ہیں اس لئے ان پر بسط کی کیفیت غالب آجاتی ہے، اہل ہنر اور ماہرین علم تصوف نے ان دونوں حالتوں سے بحث کرتے ہوئے لمبے چوڑے مسائل اور مشکلات کا ذکر کیا ہے مگر ہمارے ان ہر دو بزرگوں، مرشد ومرید اور استاذ وتلمیذ نے دوٹوک بات کر کے تمام عقدے کھول دیئے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد واستاذ حضرت ختلی اور مرید وتلمیذ حضرت داتا، رحمہما اللہ، دونوں کس قدر متوازن ذہن اور صاف دماغ کے مالک ہیں پہلے مرشد لاہور سے ان کے معلم ومرشد کی بات سنتے ہیں جو انہوں

Marfat.com

نے اپنی کسی روحانی محفل میں کہی ہوگی اور اسے مرید و تلمیذ نے اپنے دل پر لکھ لیا ہوگا اور پھر جب کشف المحجوب میں ریکارڈ کرنے کا موقع آیا تو یوں ضبط تحریر (۴۲) میں آ گئی:

''میرے شیخ۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ نے کہا کہ قبض اور بسط میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ایک معنی اور مفہوم رکھتے ہیں اور دو الگ الگ کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو لاحق ہوتی ہیں، چنانچہ جب وہ جل شانہ دل پر خوشی و سرور کا نشان لگاتا ہے تو بندہ مسرور ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی نفس انسانی مقہور بھی ہو جاتا ہے، اگر نشان سے دل مقہور ہو جائے تو نفس انسانی مسرور ہو جاتا ہے، ضمیر پر قبض کا نشان ثبت ہو تو نفس انسانی پر بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور اگر ضمیر پر بسط کا نشان ثبت ہو تو اس کے ساتھ نفس پر بھی قبض کی کیفیت مسلط ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس کی کچھ اور تعبیر پیش کرتا ہے وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے، اسی لئے بایزید، رحمۃ اللہ علیہ، نے فرمایا ہے: قَبضُ الْقُلُوبِ فی بَسطِ النُّفوسِ وَبَسطُ القُلوبِ فی قبض النّفوسِ (یعنی دلوں کا قبض نفوس کے بسط میں اور دلوں کا بسط نفوس کے قبض میں ہوتا ہے) تو اگر نفس مقبوض ہو تو خلل سے محفوظ رہتا ہے اور اگر ضمیر مبسوط ہو یعنی بسط کی حالت میں ہو تو لغزش سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے کہ دوستی یا حُب میں غیرت کو مسلک کی حیثیت حاصل ہے اور قبض دراصل حق تعالیٰ کی غیرت کی علامت ہے، دوست کا دوست پر عتاب تو ہوتا ہی ہے ایسے میں بسط دراصل عتاب کی علامت ہوتی ہے!''

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں (۴۳) کہ مشہور احادیث و اقوال صحابہ میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام زندگی بھر نہیں ہنسے، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر کبھی نہیں روئے، وجہ یہ ہے کہ ایک پر قبض کی حالت مسلط تھی جبکہ دوسرے پر بسط کی حالت طاری رہی، جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے تو یحییٰ نے کہا عیسیٰ! کیا آپ رشتے قطع ہونے سے خود کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے؟ تب عیسیٰ نے کہا: اے یحییٰ! کیا تم رحمت حق سے بالکل نا اُمید تھے؟ بات یوں ہے کہ نہ تیرے رونے سے حکم ازل ٹل سکا اور نہ میرے ہنسنے نے قضائے ربانی کو ٹالا! تو

Marfat.com

گویا نہ قبض ہے، نہ بسط، طمس ہے نہ انس، محو ہے نہ محق، عجز ہے نہ جہد یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ تقدیر ازلی ہے اور اس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا!''

نیند انسان کی فطری ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی، یہ نظام قدرت کی رحمت بھی ہے مگر زحمت بھی بن جاتی ہے، محنت کش کو جسم صالح کی ضرورت ہے مگر تھکے ماندے انسان کی مجبوری بھی ہے، تھکے ماندے کے آرام و سکون کے لئے یہ نیند خدا کی نعمت و رحمت ہے مگر سست، کاہل اور غافل کے ضیاع وقت کے لئے یہی نیند زحمت اور خسارہ کا باعث بھی ہے۔

لیکن اہل تصوف کے ہاں سفر و حضر میں نیند کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں اور ان اصول و آداب کو ملحوظ رکھنا بہت اہم ہے، خواب کا تعلق بھی نیند سے ہے اس لحاظ سے بھی اہل طریقت نے نیند پر گفتگو کی ہے، حضرت خُتلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس حوالے سے ایک خاص نقطہ نظر ہے، بعض نیک روحوں کو نیند پر بھی قدرت حاصل ہوتی ہے اور موت پر بھی، کیونکہ عربوں کے ہاں نیند بھی موت کی بہن ہے (اَلنومُ اختُ الموتِ)! لیکن بعض بدنصیب روحوں کو نہ آسانی سے نیند آتی ہے نہ موت! نیند اور موت میں جو مشابہت، قرابت اور رابطہ ہے اسے حضرت داتا صاحب نے ایک درویش اور ایک امام مسجد کی کہانی کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش (۴۴) کی ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک خدا شناس درویش اور ایک دنیا پرست امام مسجد کے درمیان نوک جھونک رہتی تھی، درویش جب بھی مسجد میں امام مسجد سے ملتا اسے کہہ دیتا: اے ابو فلاں تو مر جا! امام مسجد کو یہ بات بہت ناگوار لگتی تھی کہ درویش اسے مر جانے کی تلقین کیوں کرتا ہے؟ وہ دنیا پرستی کی بیماری میں ایسا مبتلا ہوا تھا کہ اسے موت اور آخرت کی فکر ہی نہ تھی، ایک دن امام نے یہ فیصلہ کیا کہ آج جب وہ درویش آئے گا تو پہل کرتے ہوئے میں اسے کہوں گا کہ تو مر جا! جونہی امام نے اسے کہا کہ اے درویش تو مر جا! امام کی بات سنتے ہی وہ درویش اللہ کا نام لیتے ہوئے خاص جگہ پر لیٹ گیا اور چند لمحات کے بعد وہ موت کے آغوش میں تھا! یہ واقعہ دراصل اس دنیا پرست امام کے لئے تنبیہ تھی کہ وہ اپنی موت اور راہ آخرت

Marfat.com

کے لئے سامان کرے مگر وہ اس کا اشارہ حکیمانہ سمجھنے سے قاصر تھا، اس موقع پر حضرتِ ختلی علیہ الرحمہ کا تبصرہ بھی بہت برمحل اور موزوں ہے اور اسے داتا صاحب یوں پیش کرتے ہیں (۴۵):

''میرے شیخ۔ رضی اللہ عنہ۔ اپنے مریدوں سے ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ جب حال طاری ہو تو سویا نہ کرو! لیکن جب بیدار ہو جاؤ تب بھی دوبارہ مت سویا کرو، کیونکہ مرید حق کے لئے دوبارہ سونا حرام ہے اور بیکار ہے!''

انس اور ہیبت بھی مسائل تصوف میں سے ہیں، انس کا مطلب ہے ذات باری تعالیٰ کی ایسی معرفت جس میں انسیت اور اپنائیت کا احساس ہو، اور ہیبت سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ جل شانہ کے رعب و جلال اور ہیبت کے سایہ میں راحت پائے، دراصل انس اور ہیبت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے جمال اور جلال سے ہے، جلال ہیبت کو مستلزم ہے جبکہ جمال کا نتیجہ انس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جلوۂ جمال بندے میں انس و محبت پیدا کرتا ہے جبکہ صفت جلال کی تجلیات کا نتیجہ ہیبت ہے، اس ضمن میں صوفیائے کرام کی رائے اور موقف مختلف ہیں، حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کی رائے اور موقف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں (۴۶):

''میرے شیخ۔ رحمۃ اللہ علیہ، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ انس ناممکن ہے، یہ جاننے کے بعد بھی کہ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی 'فَاِنِّی قَرِیب'

''یعنی اے محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں بتا دیجئے کہ میں ان کے بہت قریب ہوں (۴۷)''

اِنَّ عِبَادِیْ: یعنی بے شک میرے بندے (۴۲/۱۵) قُلْ لِعِبَادِیْ: یعنی میرے

Marfat.com

بندوں سے کہہ دیجئے (۳۱/۱۴) یاعِبادِ اے میرے بندو! آج تمہیں کوئی خوف نہیں اور نہ تم نے غمگین ہونا ہے (۶۸/۴۴) (ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو "میرے بندے" فرمارہے ہیں تو یہ انس اور اپنائیت کی علامت نہے) اس لئے جب بندہ اللہ کی یہ مہربانی دیکھتا ہے تو اسے اپنا دوست مانتا ہے جب دوست مانا تو انس بھی لازمی ہوگا، دوست کی ہیبت تو بیگانہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے جبکہ انس یگانگی کی علامت ہے، انسان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے منعم سے مانوس ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کتنی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور ہمیں اس کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے، ایسے میں یہ محال ہے کہ ہم ہیبت کا ذکر بھی کریں!"

مسئلہ کی توضیح و تفہیم کے لئے اس پر مرشد لاہور کا تبصرہ بھی قابل قدر ہے (۴۸)، فرماتے ہیں:

"اور میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، کہتا ہوں کہ باوجود اختلاف کے یہ ہر دو گروہ اپنی اپنی جگہ درست ہیں وجہ یہ ہے کہ "ہیبت" کی قوت اختیار کا تعلق "نفس" سے، اس کی خواہش سے اور "بشریت" کو فنا کرنے سے ہے جبکہ "انس" کی قوت اختیار کا تعلق "باطن" اور معرفت کی پرورش اور نمو سے ہے، چنانچہ حق تعالیٰ اپنے جلال کی جلوہ نمائی سے اپنے دوستوں کو فانی بناتا ہے جبکہ اپنے جمال کی جلوہ نمائی سے ان کے باطن کو بقا عطا کرتا ہے، چنانچہ جو لوگ "فنا والے" ہوتے ہیں وہ "ہیبت" کو فضیلت دیتے ہیں لیکن جو لوگ "بقا والے" ہوتے ہیں وہ "انس" کو ترجیح دیتے ہیں!"

اگر آپ غور فرمائیں تو حضرت داتا صاحب کے اس تبصرہ اور ان کے مرشد حضرت ابو الفضل ختلی کے ارشاد میں کوئی بنیادی فرق یا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ظاہر بین نظر کو شاید دکھائی دے، ان کے مرشد حق تعالیٰ کی صفتِ جمال کو مقدم رکھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک نعمتوں سے نوازنے والی ہستی سے قلب و روح ہیبت کی نسبت انس کو زیادہ پسند کرتے اور مانوس ہوتے ہیں، جبکہ حضرت داتا صاحب اہل انس اور اہل ہیبت دونوں کے موقف اور

Marfat.com

نقطہ نظر کی وضاحت فرمار ہے ہیں، کسی کو کسی دوسرے پر ترجیح یا فضیلت دینے کی بات ہی نہیں کرر ہے! زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مرشد کو بھی ان ہر دو گروہوں میں سے ایک گروہ میں شمار کرتے ہیں یعنی جو اہل انس یا جمال ربانی کو جلال الٰہی پر مقدم جانتے ہیں، مرشد و مرید دونوں کے درمیان مغائرت یا اختلاف نہیں ہے بلکہ مرید تو ہر دو گروہوں کے موقف کی صرف وضاحت کرر ہے ہیں اور ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ میں! ان کے مرشد بھی شامل ہیں!

اہلِ تصوف وار بابِ طریقت کے ہاں مروج اصطلاحات میں سے ایک ''شُرب'' بھی ہے، عربی زبان میں شربت کے معنی ہیں پینے کی کوئی چیز، عادی ہونا، ذوق پیدا کرنا اور مشروب یا شربت کا مفہوم بھی یہی ہے لیکن تصوف وطریقت کی دنیا میں ''شُرب'' کے بھی الگ اور خاص معنی ہیں ظاہر ہے کہ اہل علم وفن کے ہاں خاص معنی و مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی کے الفاظ کو خاص معنی دے دئے گئے جو اصطلاحی معنی کہلاتے ہیں، صوفیوں کی اصطلاح میں ''اطاعتِ خداوندی سے جو حلاوت یا مٹھاس محسوس ہوتی ہے'' یا کرامت'' عطا ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ''انس'' نصیب ہونے میں جو راحت و تسکین ہے، یہ سب کچھ گروہ صوفیاء کے ہاں ''شُرب'' کہلاتا ہے مثلاً بدن کے لئے پانی شُرب ہے یعنی پانی پینے سے بدن کو تسکین ملتی ہے اسی طرح دل کا ''شرب'' یہ ہے کہ اسے روحانی راحت و حلاوت حاصل ہو، حضرت داتا صاحب اس ضمن میں اپنے مرشد و معلم حضرت ابو الفضل الختلی الشامی کا قول نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ (۴۹):

''و شیخ من۔ رضی اللہ عنہ۔ گفتی: مرید و عارف باید از شرب ارادت و معرفت بیگانہ باشد یعنی مرید کو ارادتمندی کے شرب سے اور عارف باللہ کو معرفت کے شرب سے کوئی سروکار نہ ہو بلکہ بیگانہ ہو!'' گویا مرید کی ارادتمندی جب شرب کے تابع ہوگئی تو مرشد کے پاس ارادت مندی سے جانے میں کیا مشقت یا تکلیف اٹھانا پڑے گی؟ ارادت مندی اگر شرب یا

Marfat.com

شیریں نشہ بن گئی تو راہ مرشد میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اور مریدان کو سر کر کے اپنے مرشد کی زیارت سے جو خوشی پاتا ہے وہ کہاں سے پائے گا؟ وہ تو پہلے ہی شرب ارادت یا ارادتمندی کے نشے میں آ رہا ہے اسی پر معرفت کے شرب سے متمتع ہونے والے ''عارف باللہ'' کے معاملہ کو بھی قیاس کر لیجئے، دوسرے لفظوں میں حضرت شیخ مرید کے ارشادات کے شرب سے اور عارف کی معرفت کے شرب سے لطف اندوز ہونے کے حق میں نہیں ہیں، جو پہلے ہی نشے سے چور ہیں انہیں زیارت شیخ اور معرفت ربانی کی کیا حاجت! کیا خوب کہا اقبال (۵۰) نے:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!!

ارادت سے مقصود بالذات تو پیروی مرشد ہے نہ کہ محض ارادت، اسی طرح معرفت کی منزل مراد تو اللہ جل شانہ کی ذات پاک ہے نہ کہ صرف معرفت اس لئے جو وسیلے ہیں انہیں منزل سمجھ لینا کونسا کمال اور کونسی دانائی ہے، اس لئے مرید کو شرب ارادت سے اور عارف کو شرب معرفت سے بیگانہ ہی رہنا اچھا اور مفید ہے، جیسا کہ شیخ کے الفاظ ہیں اور جیسا کہ مرید نے انہیں کشف المحجوب میں نقل کر دیا ہے!!

''سماع'' بھی اہل تصوف کے ہاں ایک اصطلاح ہے، عربی کے اس لفظ کے لغوی معنی تو سننا اور سنانا ہیں مگر صوفیوں کے ہاں ''سماع'' بطور اصطلاح گانے، بجانے اور آواز بلند کرنے کے معنی میں ہے اور تقریباً قوالی اور موسیقی کے مترادف قرار پا گیا ہے، دراصل صوفیوں کو جو چیز تلاش حق اور وصول الی اللہ میں ممد و معاون ہوا سے اپنا لیتے ہیں، تاہم اہل علم اور اہل تصوف کے درمیان اس باب میں وسیع اختلاف موجود ہے اور ہر گروہ کے پاس جواز اور عدم جواز کے دلائل بھی موجود ہیں، لیکن بات کا فیصلہ نتیجہ اور انجام سے ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کے متعلق فرمایا کہ، یہ بھی کلام کی ایک صنف ہے اور کلام یا بات اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، یہی حال شعر اور موسیقی یا قوالی کا بھی ہے، اس لئے

Marfat.com

حضرت داتا صاحب نے اپنی کتاب میں سماع کے تمام پہلوؤں سے مفصل اور مدلل بحث فرمائی ہے، اس ضمن میں انہوں نے اپنے مرشد حضرت ختلی کی رائے بھی نقل کی ہے بلکہ مرشد کے مرشد حضرت ابوالحسن علی بن ابراھیم حصری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی متصل قلمبند (۵۱) کی ہے ، چنانچہ حضرت ختلی کا فرمانا یہ ہے کہ:

''اور میرے شیخ -رضی اللہ عنہ- نے فرمایا ہے کہ ''سماع'' تو راہ وصل الہی کے پریشان لوگوں کے لئے زادراہ ہے مگر جسے وصل نصیب ہو گیا وہ سماع سے بے نیاز ہے'' گویا سماع پسماندہ لوگوں کے لئے زادسفر ہے، جو منزل مراد کو پا گیا اسے سماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے! کیونکہ منزل وصل میں سماع کا حکم منسوخ ہوتا ہے کیونکہ سننے کی صلاحیت سمع تو خبر کے لئے مختص ہے اور خبر ہمیشہ غائب وغیر موجود کی ہوتی ہے، جب خود موجود ہو گیا تو سماع نابود ہو گیا!

اور امام حصری کا فرمانا ہے کہ ''میں سماع کو کیا کروں جو اس وقت منقطع ہو جاتا ہے جیسے ہی سنانے والے کی آواز منقطع ہوتی ہے! کیا کروں میں سماع کو جب قرائت کرنے والا قاری خاموش ہوتا ہے تو سماع بھی ختم ہو جاتا ہے؟ کیا کہوں میں؟! سماع کو تو سماع کے ساتھ مسلسل جڑا رہنا چاہئے اور منقطع ہونا ہی نہیں چاہئے ! یہ علامت ہے اس بات کی کہ خیابان محبت میں عزم بہت بلند ہے، اگر بندہ سماع میں اس درجہ کو پہنچ جائے کہ تمام عالم اسے سماع کا کام دینے لگے، کیا شجر کیا حجر کیا پتھر کیا گارا! یہ درجہ بلاشبہ بہت بلند ہے!'' مگر کم کم نصیب ہوتا ہے!

جس طرح مرشد لاہور شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری ،رحمۃ اللہ علیہ، عجائب الاوصاف مرد حق ہیں اسی طرح ان کی کشف المحجوب بھی صحیفہ غرائب المعلومات ہے، یہ الگ بات ہے کہ حضرت داتا پیر کی طرح ان کی یہ کتاب بھی مظلوم ہے، میں نے چھ سات ماہ صرف اس کتاب کی طبعات (ایڈیشنز) اور اس کے عربی ،انگریزی ،اردو اور پنجابی تراجم کی ورق گردانی میں صرف کر دیئے مگر نہ تو کوئی تسلی بخش ترجمہ سامنے آیا اور نہ اغلاط سے پاک کوئی

Marfat.com

طبع یا ایڈیشن نظر آیا، بات یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث اور ان کے علوم تک کامل رسائی نہ رکھتا ہو، بیک وقت عربی اور فارسی پر کامل عبور سے محروم ہو، جسے داتا پیر سے پہلے کی کتب تصوف سے پوری واقفیت نہ ہو، جو اسلامی علوم خصوصاً فقہ، کلام، فلسفہ، منطق، تاریخ جغرافیہ، سیر و تراجم کا وسیع علم نہ رکھتا ہو اور سب سے بڑھ کر وہ علم تصوف، کشف المحجوب اور اس کے مصنف سے پوری عقیدت نہ رکھتا ہو تو وہ اس کی طباعت یا ترجمہ کو ہاتھ نہ لگائے!

حضرت داتا صاحب کی کشف المحجوب کے غرائب المعلومات میں سے صحابہ کرام کے عہد مبارک سے لیکر اپنے زمانے تک کے اعلام علم و معرفت کے تراجم اور حالات بھی ہیں، ان اعلام اسلاف میں سے ایک حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں (۵۲) ان کے ترجمہ یا سوانح میں حضرت داتا صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایک ولی اللہ (خود حبیب راعی) کی کہانی بھی ہے جو چرواہے کا کام کرتے رہے، کسی صاحبِ نظر نے دیکھا کہ چرواہا عبادت و ذکر اللہ میں مصروف ہے اور ایک بھیڑیا ان کے ریوڑ کی حفاظت کر رہا ہے، تعجب سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سب کچھ پیروی سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام ہے، میں سنت نبوی کی پیروی میں ذکر خدا سے غافل نہیں ہوں اور خدا نے میرے ریوڑ کی نگرانی پر بھیڑیئے کو لگا دیا ہے!

بزرگان سلف کی ایسی ہی کہانیوں میں سے ایک کہانی حضرت شیخ سعدی نے بھی اپنی بوستان کی زینت بنائی ہے، اس میں بھی ایک مرد حق چیتے پر سوار میدان رودبار میں اچانک شیخ کے سامنے آجاتا ہے، اور شیخ سے کہتا ہے (۵۳) کہ:

تبسم کناں دست برلب گرفت — کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ!

حضرت حبیب راعی، رحمۃ اللہ، کے حالات ختم کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کا تذکرہ کرتے ہیں مگر بہ انداز دیگر، وہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد۔ رضی اللہ عنہ۔ اپنے پندو

Marfat.com

نصائح میں دیگر اولیاء کرام کے ساتھ ساتھ حضرت ابو حلیم حبیب بن سُلَیم الراعی رضی اللہ عنہ کی اور بھی بہت سی باتیں ہمیں بتایا کرتے تھے مگر سر دست اس سے زیادہ میں کچھ نہیں لکھ سکتا کیونکہ میری تمام کتابیں غزنی میں رہ گئی تھیں اور میں یہاں دیار ھند میں ناجنس لوگوں میں ہوں" یہ ڈاکٹر محمود عابدی کے ایڈیشن سے تقریباً لفظی ترجمہ (۵۴) ہے مگر اس مقام پر بعض نسخوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "میری کتابیں غزنی میں ہیں اور میں یہاں شہر لہاور (لہور، لہاوور، لاہور) میں جو ملتان کے مضافات میں واقع ہے، غیر جنس کے لوگوں میں گرفتار ہوں!" یہ الفاظ الحاقی ہیں کیونکہ کشف المحجوب کے طہرانی ایڈیشن کے علاوہ دیگر معتبر مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں ہیں، اس قسم کے اضافے اور الحاقات خطی نسخوں میں ایک کھیل ہوتا تھا جو اکثر بدنیت اور بدخواہ لوگوں کا شیوہ تھا مگر بعض بدحواس عقیدتمند بھی ایسی جسارتوں کے مرتکب ہوتے تھے، مگر داتا پیر اپنے ہموطن لاہوریوں کی یہ تحقیر نہیں فرما سکتے تھے کہ وہ ناجنس یا غیر جنس لوگ ہیں! کسی کی تحقیر اولیاء اللہ کی شان نہیں ہوتی اور پھر مرشد لاہور جیسا جلیل القدر عالم اور بلند اخلاق ولی تو بالکل نہیں کرے گا، کفر وشرک کے مارے ہندو تو داتا صاحب کے لئے بیگانے یا ناجنس ہو سکتے تھے مگر وہ اپنی اس عظیم کتاب میں اپنے مسلمان لاہوریوں کے متعلق اس قسم کی بری یادگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

بات یوں ہے کہ داتا صاحب ایک کثیر الاسفار اور سیاحت پسند صوفی تھے، وہ اگر بلادِ عرب وعجم کے دور دراز خطوں کا سفر کر سکتے تھے تو قریب کے ہندوستان کی سیاحت میں کیا چیز مانع تھی، اسلام تو سندھ و ہند میں پہلی صدی ہجری ہی میں آ گیا تھا، دیبل، منصورہ، ملتان اور اچ تو اسلام کی قلمرو میں شامل تھے، یہاں تو عرب سیاح، جغرافیہ نویس اور مؤرخ پہلے ہی ان علاقوں میں آتے رہتے تھے اور ان کے حالات بھی وہ ریکارڈ کر گئے ہیں، مرشد لاہور نے تو نہ صرف مفتوحہ اسلامی شہروں کی سیر کی بلکہ ہندوستان کے غیر مسلم علاقوں میں بھی ممکن ہے گئے ہوں کشف میں اس کے اشارات بکثرت ہیں اور ہمارا اگلا موضوع بھی داتا پیر کی سرزمین ہند میں تشریف آوری ہے ان شاء اللہ یہاں تو ملتان کے مضافات کا صاف ذکر ہے! سید ہجویر

Marfat.com

کا یہ ورود ہند غزنوی فتوحات کے زمانے کا بلکہ اس سے بھی پہلے کا ہو سکتا ہے، آخر ان کے ایک ہموطن اور معاصر البیرونی نے بھی تو برہمنوں کی پوتھیوں میں سے براہ راست معلومات حاصل کر کے "ماللہند" عربی میں لکھی تھی بھلا حضرت داتا صاحب جیسا عربی دان عالم اور صوفی البیرونی کی ان کتب سے دور کیسے رہ سکتا تھا؟

اس الحاقی عبارت کے بعض نسخوں میں "گرفتار ماندہ" بھی آیا ہے اس سے بعض لال بجھکڑ قسم کے محققین نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ داتا صاحب قیدی بنا لئے گئے تھے؟! بہر حال یہ سب باتیں تحقیق طلب ہیں اور ان پر ضرور کام ہونا چاہیئے !!

حضرت داتا پیر، علیہ الرحمہ، نے شیخ ابو الفضل الختلی الشامی کے علاوہ دیگر اہل علم وتصوف سے بھی استفادہ کیا تھا اور انہوں نے کشف المحجوب میں اس کا برملا اور صراحت کے ساتھ اعتراف بھی کیا ہے جیسے ابو القاسم کرگانی ابو العباس شقانی، المظفر حمدان اور ابو القاسم قشیری وغیرہ، اور یہ مرشدِ لاہور کے بڑے پن اور عظمت کی دلیل ہے، ہم بھی ان شیوخ و اساتذہ پر قلم اٹھانے کا عزم رکھتے ہیں، ان شاء اللہ، لیکن حضرت ختلی نہ صرف استاذ و معلم تھے بلکہ حضرت داتا پیر کے شیخ و مرشد بھی تھے اس لئے یہ گفتگو صرف ان تک ہی محدود ہے اور وہ بھی صرف کشف المحجوب کی روشنی میں !!

Marfat.com

جنیدی مسلکِ تصوف اور مرشد لاہور

سید ہجویر و مرشد لاہور حضرت ابو الحسن علی بن عثمان، رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے پیرو مرشد حضرت شیخ ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی، رضی اللہ عنہ، کا مسلک طریقت و تصوف جنیدی مسلک طریقت و تصوف ہے، سلسلہ جنیدیہ کے بانی حضرت جنید بغدادی، رضی اللہ عنہ، ہیں، جو اپنے وقت میں سید الطائفہ یعنی گروہ صوفیہ کے قائد و سردار اور طاؤس العلماء یعنی علماء کے موریا حسن علم و عمل کی اعلیٰ مثال تھے! دراصل جنیدی مسلک تصوف و طریقت اسلامی تصوف کا نمائندہ مسلک تصوف ہے جس کا ماخذ اور مصدر کتاب و سنت ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے اسلامی شریعت کا ماخذ و مصدر کتاب و سنت ہیں، جو چیز کتاب و سنت یا اسلامی شریعت سے باہر ہے جنیدی مسلک کے نزدیک وہ اسلامی تصوف سے بھی باہر ہے، بلکہ وہ کفر و الحاد اور گمراہی و زندیقیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے!

اسلامی تصوف کے جو مستند و مسلم امام ہیں اور ان سے جو صوفی سلسلے منسوب ہیں وہ سب اپنی اصل بنیاد اور حقیقی سرچشمہ رسالت مآب ﷺ ہی کو مانتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک مسلک تصوف کا سلسلہ کبار صحابہ، جیسے خلفائے راشدین، میں سے کسی ایک صحابی کے توسط سے رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچتا ہے، جنیدی سلسلہ طریقت و تصوف سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے واسطے سے ہی رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے جو یوں ہے:

''جنید بغدادی عن سری سقطی عن معروف کرخی عن داؤد طائی عن حبیب عجمی
عن حسن بصری عن علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم عن سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ''

اور یہ تو معلوم ہے کہ مرشد لاہور کے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل ختلی شامی، رحمۃ

Marfat.com

اللہ علیہ، کے شیخ و مرشد ہیں حضرت ابوالحسن الحصری، جو شیخ ابوبکر شبلی کے مرید ہیں اور شبلی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، اس طرح ہمارے مرشد لاہور کی سند بیعت وطریقت دس واسطوں: حضرت ختلی تا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے رسالت مآب ﷺ تک جا پہنچتی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ سے شروع کریں تو ہمارے مرشد لاہور تک بارہ ہستیاں ہیں، اور ہم ان تمام ہستیوں کا یہاں مختصر تذکرہ کریں گے تاکہ سلسلہ جنیدیہ واضح ہو کر سامنے آ جائے، اور یہ بھی سب پر عیاں ہو جائے کہ شیخ ختلان و شام حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن اور ان کے مرید بامراد حضرت سید ہجویر اور مرشد لاہور سید ابوالحسن علی بن عثمان، رحمۃ اللہ علیہما، بیعت وطریقت میں جنیدی مسلک تصوّف کے پیروکار ہیں، یہ مسلک تصوف منفرد، بے مثال اور جملہ اہل اسلام کی طرف سے قابل تحسین مانا گیا ہے، کیونکہ یہ مسلکِ تصوف جہاں کتاب و سنت کا مکمل پیروکار ہے اور شریعت اسلامی سے سرمو انحراف واعراض بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ اس انحراف واعراض کو زندیقیت والحاد قرار دیتا ہے، وہاں یہ رسالت مآب ﷺ اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر آگے تک جانشینی یا خلافت کو خاندانی، نسلی اور موروثی سمجھنے اور بنانے سے بری ہے، امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہما جب اشقی البریہ ملعون ابن ملجم کی زہرناک تلوار سے زخمی ہو گئے اور اطباء نے یہ بتا دیا کہ اب وصال رب کا وقت اٹل ہے (۱) تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ اپنے بڑے فرزند حضرت ابو محمد الحسن بن علی، رضی اللہ عنہما، کو اپنا جانشین نامزد کر دیجیے تو وہاں اَقْضَی الصَّحَابَۃِ یعنی صحابہ کرام میں سب سے بڑے اور سب سے بہتر قاضی، کرم اللہ وجہہ الکریم، نے اپنی زندگی کا آخری مگر لاثانی وغیر فانی فیصلہ صادر فرمایا اور کیا خوب فیصلہ تھا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ (۲):

"اگر میں اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں تو مجھ سے پہلے ایک ہستی جو مجھ سے افضل تھے، یعنی صدیق اکبر، رضی اللہ عنہ، ایسا کر چکے ہیں، اور اگر فیصلہ جمہور امت

Marfat.com

پر چھوڑتا ہوں تو پہلے ایک ہستی جوان سے بھی افضل تھے (بلکہ افضل البشر تھے) یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا اس لئے بابُ مدینة العلم یہاں پر ہر صورت میں مدینة العلم کی پیروی ہی کرے گا!!''

چنانچہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے بھی سنت نبوی اور سنت مرتضوی پر عمل کرتے ہوئے اپنا گدی نشین کسی کو نامزد نہیں فرمایا، اسی طرح پیر ختلان وشام نے بھی اسی سنت پر عمل کیا اور پھر سید ہجویر و مرشد لاہور بھی اپنا گدی نشینی کسی کو نہیں بناتے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیر سنجر خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چشتی خلفاء نے بھی کسی کو کبھی اپنا گدی نشین نامزد نہیں کیا بلکہ فیصلہ جمہوری مشاورت کا حق قرار دے کر یزیدی ملوکیت اور موروثی آمریت پر زبردست طنز کیا گیا اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نیک فرزندوں کو خرقہ خلافت کا حق دار سمجھنے یا بنانے کے بجائے سب سامان خلافت دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں ارسال فرما دیا تھا کیونکہ چشتی بزرگوں کی منظم جماعتِ چشتیہ کا جمہوری شورائی فیصلہ یہی تھا (۳)!

لوگ اکثر پوچھتے ہیں بلکہ حضرت داتا پیر، رحمۃ اللہ علیہ، کے عقیدت مند اور محبین بھی سوچتے ہیں کہ انہوں نے اپنا کوئی خلیفہ یا جانشین کیوں نہ مقرر فرمایا؟ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، نہ بیٹا نہ بیٹی! کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ یا پیر کا اگر بیٹا ہو، کیسا بھی ہو، لولا لنگڑا اندھا کانا، حتیٰ کہ خواہ پسر نوح کی مثل ہی کیوں نہ ہو اس نے باپ کی گدی پر (یا یوں کہہ لیجیے کہ جس ''گدے'' پر باپ بیٹھتا تھا اس پر) بیٹے نے بیٹھنا ہی بیٹھنا ہے کیونکہ یہ گدی (یا گدا) اس کا ورثہ ہے اور وہ اس کا وارث ہے! اگر اولاد نرینہ نہ ہو تو داماد بھی گدی یا گدے کا وارث ہوسکتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ باپ یا سسر صاحب کے مریدین کا پورا حلقہ (اپنی آل اولاد سمیت) بھی ''ورثہ'' ہوتا ہے اور نیا گدی نشین ان کا بھی ایسے ہی وارث بنتا ہے جیسے اگر گلہ مویشیاں باپ کی ملکیت ہو تو وہ بھی بیٹے کا موروثی حق ہوتا ہے اس لئے گلہ مویشیاں ہو یا

Marfat.com

حلقہ مریداں ہوان کے وارث کا ورثہ بننے میں کوئی شک ہے اور نہ انکار کی گنجائش، اگر کوئی مرید حلقہ سے نکل جائے تو اسے ''باغی'' کہا جاتا ہے اور جو کسی پیر کا مرید نہ ہو تو اسے ''بے پیرا'' کہہ کر تنقید و عتاب کا نشانہ بنایا جاتا ہے، پیر کا یہ فرض بھی ہے اور حق بھی کہ وہ اپنے حلقہ مریدین کے دورے کرے، شاہانہ استقبال کروائے، نذر و نیاز وصول کرے، تعویذ گنڈے دے کر ''ہدیہ'' وصول کرے! اسی طرح مرید کا حق بھی ہے اور فریضہ بھی ہے کہ وہ بھی پیر کے دربار میں حاضری دے مگر نذر و نیاز کے ساتھ، خالی ہاتھ نہیں! اس طرح گویا ''پیری مریدی'' بھی ایک پیشہ بن گیا یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک قلمرو، امپائر یا بادشاہت بن گئی، پیری مریدی کی موروثیت کی طرح ہی وہ دینی مدارس یا مساجد جو کوئی ہوشیار اور ہنر مند یا کاریگر قسم کا مولوی عام مسلمانوں سے چندہ لے کر یا صدقات و خیرات سے تعمیر کر لیتا ہے۔ تو موروثیت وہاں بھی ایک مسلم رواج پا گئی ہے اور تو اور ہمارے ہاں تو سیاسی پارٹیوں یا گروہوں کی سربراہی بھی موروثی بن گئی ہے بلکہ انتخابی حلقے بھی موروثی چلے آتے ہیں اہلیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ سب کچھ یزیدیت کے شاخسانے معلوم ہوتے ہیں جس نے شورائی جمہوری خلافت کو بادشاہت یا ملک عضوض (سخت گیر اور مطلق العنان آمریت) میں بدل دیا اور جسے اہل بیت کرام نے اور ارباب طریقت (یعنی طریقت و سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کرنے والے صوفیہ عظام) نے مسترد کر دیا۔ حالانکہ شروع میں ارباب طریقت کا شیخ یا بڑا صرف وہ ہوتا تھا جو علم و فضل کی اہلیت کے ساتھ ساتھ حقیقی زہد و تقویٰ اور حسن کردار میں بھی سب سے بہتر و برتر مان لیا جاتا تھا اور پھر اس کی جگہ صرف اس کو دی جاتی تھی یا وہی لے سکتا تھا جس میں یہی خوبیاں سب سے بہتر و برتر پائی جاتی ہوں، وہ خواہ جانے والے سے خونی رشتہ رکھتا ہو یا کوئی اور ہو مگر یہ سربراہی موروثی ہرگز نہیں ہوتی تھی!

یوں حضرت داتا گنج بخشِ فیضِ عالم، اور آپ کے پیر و مرشد شیخ ختلی، رحمۃ اللہ علیہما، میں سے کسی نے بھی اپنا جانشین کسی کو نہیں بنایا، جس کی وجہ بظاہر یہی تھی کہ:

۱۔ اس کا ایک سبب بلکہ بنیادی سبب تو یہ ہے کہ جنیدی ارباب طریقت نے یزیدیت کو

Marfat.com

مسترد کر کے موروثیت کو بھی حرف غلط سمجھ کر مٹا دیا تھا، مرشدِ لاہور نے بھی اپنی جنیدی روایت کو زندہ رکھا!

۲۔ اس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ان جنیدی بزرگوں کے عہد مبارک تک خانقاہوں، زاویوں اور تکیوں کو اللہ کے نیک بندوں نے کسی کی خاص ملکیت، جائیداد یا میراث نہیں بننے دیا تھا، برصغیر کے اولین چشتی بزرگوں کا نمونہ عمل ہمارے سامنے ہے، ان سب نے شخصی حکمرانی اور موروثی بادشاہت پر اپنے خانقاہی نظام میں شورائی جمہوری روش اپنا کر درحقیقت شخصی حکمرانی اور موروثی بادشاہت کو ٹھکرا دیا تھا اور برصغیر کے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا تھا کہ وہ بھی اپنے ہاں سلطانی جمہور کو رواج دیں جس میں اہلیت اور ذاتی کردار کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔ محمد علی جناح جیسے جمہوریت پسند اور سراسر اہلیت ولیاقت پر اعتماد رکھنے والے قائد نے ہندو اور انگریز کی شدید ترین مخالفت کے باوجود عام مسلمانوں کے جمہوری ووٹ سے قیام پاکستان کو بیسویں صدی عیسوی میں اسلامی جمہوریت کے معجزہ کو ممکن کر دکھایا، اب بھی جب تک لوگوں کو یزیدی حیلوں سے محفوظ رکھتے ہوئے عوامی اکثریت کو جمہوری حق ملتا رہا تو پاکستان کا کوئی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا! بلکہ سید ابوالحسن علی ندوی جیسے صوفی زاہد کے دعائیہ ارشاد کے مطابق یہ پاکستان پھلے گا، پھولے گا اور پھیلے گا، ان شاءاللہ!

۳۔ حضرت داتا صاحب نے لاہور کو صحیح معنی میں اپنی نگری اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے دھڑکتا دل اور قطب الارشاد (ہدایت ورہنمائی کا محور) بنانے پر اتنی توجہ دی کہ تمام اہل لاہور اپنے داتا ومرشد کی تعلیمات کا مکمل عکس بن کر ''زندہ دلانِ لاہور'' ہو گئے۔ شاید حضرت داتا نے اسے ہی اپنی دینی وایمانی جدوجہد کی بہترین علامت اور یادگار سمجھ لیا ہو اور کسی کو مسند ارشاد سونپنا ضروری خیال نہ فرمایا ہو لیکن ان کی سب سے بڑی یادگار اور مسند ارشاد تو ان کی زندۂ جاوید کتاب اور صحیفۂ

Marfat.com

تصوف اسلامی، کشف المحجوب ہے، جسے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، رحمۃ اللہ علیہ، نے بجا طور پر مرشدِ کامل کے قائمقام قرار دیا ہے، وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ مرشدِ لاہور کی یہ علمی وفکری کاوش ایک دائمی اور زندۂ جاوید سرچشمہ ہدایت اور پرمغز رہنما ہے لیکن برعظیم کی ملت اسلامیہ بالعموم، مسلمانانِ پاکستان بالخصوص اور داتا کی نگری کے مسلمان بدرجہ اولی واَخص کا یہ فرض...... بلکہ قابل فخر فریضہ...... ہے کہ فارسی زبان میں لکھا جانے والا یہ اولین صحیفہ تصوف اسلامی خوبصورت اور خوشگوار طریقہ سے دنیا کی ہر زبان میں خصوصاً اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں سب تک پہنچے، خصوصاً پنجاب یونیورسٹی کی ہجویری چیئر کا یہ فرض ہے کہ علمی تحقیق کے ساتھ اغلاط سے پاک ایک مستند ومعتبر ایڈیشن اور ایک خوبصورت اور صحیح اردو ترجمہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے!

سلسلۂ جنیدیہ میں بیعت کی سند امام حسن بصری، رضی اللہ عنہ، کے واسطے سے سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم اجمعین، ہی رسول اللہ ﷺ کی وہ شمعیں ہیں جنہیں نور مصطفوی نے روشن کیا، غار حرا سے ''اقراٗ'' کے حکم ربانی کے بعد روانہ ہونے والے کاروان حق کے اولین علمبردار بھی یہی بزرگانِ دین ہیں، اسلام کے اولین سفیر ومبلغ بھی یہی لوگ تھے، ان میں سے کوئی بھی جب کفر و باطل کے اندھیروں کو ٹھکرا کر اسلام اور حق کے دائرے میں آتا تھا تو رسول اولین و آخرین ﷺ کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مان کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لاتا ہے، یہی دست بدست عہد ہی بیعت تھی، یہی بیعت تھی جو صحابہ تابعین سے اور وہ تبع تابعین سے لیتے تھے، اس بیعت کی روح کتاب وسنت پر عمل اور اسلام کی اشاعت تھی مگر یزیدیت نے اس روح کو کچل کر بیعت کو یزیدی شہنشاہیت کے سامنے سرنگوں ہونے کے مترادف قرار دے دیا، امت کے اہل حق نے

Marfat.com

اس کا انکار کیا تو جبر و اکراہ کا کوڑا سر پر تھا، اہل بیت نے پوری قوت سے بیعت کو مسترد کر دیا اور حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کی ضرب کاری نے تو یزیدیت کی کمر توڑ دی، حق کو حوصلہ ملا اہل حق کی ہمت بندھی اسلام کے شورائی جمہوری نظام کے لئے نئے سفر کی راہیں کھلیں، نئے مسافر سامنے آئے جنہوں نے موروثیت، ملوکیت اور یزیدیت کو ٹھوکر ماردی، یہ ٹھوکر مارنے والے نئے مسافر وہی لوگ تھے جو اہل طریقت، اہل تصوف اور شورائی جمہوری بیعت کے علمبردار تھے، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے تابعی، شاگرد اور مرید امام حسن بصری اس علمِ امتیاز کو اٹھا کر آگے بڑھے تھے۔

صوفیاء کرام، اولیاء اللہ اور اصحابِ طریقت کے ہاں ''توبہ'' بھی ایک مرحلہ ہے جب کوئی بدعملیوں اور بے عملیوں کی تاریک دنیا کو ترک کر کے طریقت کی روشن دنیا میں قدم رکھتا ہے لیکن یہ بیعت کے مترادف نہیں ہے، اسی طرح روحانی فیض کے لئے کسی بزرگ کی صحبت میں رہنا بھی بیعت نہیں کہلاتا بلکہ ایسے بزرگ کو ''مرشدِ صحبت'' کہتے ہیں، لیکن حقیقی مرشد وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر لفظِ بیعت استعمال کیا جائے جس سے طالب اپنے مرشد کے سلسلے میں منسلک ہو کر مرشد کا مطیع و تابع فرمان ہو جاتا ہے، اس طرح حضرت جنید کے ہاتھ پر توبہ کرنے والے، فیض پانے والے، صحبت میں رہنے والے صوفی تو لاتعداد اور بے شمار ہیں مگر آپ کے مرید یا آپ کے جنیدی سلسلے میں منسلک ہو کر بیعت کرنے والے ہی آپ کے حقیقی مرید اور نمائندے ہیں، جیسے شیخ ابوبکر شبلی آپ کے مرید ہوئے پھر ابوالحسن الحصری شبلی سے بیعت ہوئے اور یہی حضرت حصری حضرت داتا صاحب کے دادا مرشد یعنی آپ کے پیر و مرشد حضرت ختلی کے مرشد تھے!

سلسلۂ جنیدیہ کے بزرگان سلف جو حضرت جنید سے اوپر ہیں وہ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اس قدر محترم، اتنے بلند مرتبہ اور اتنی بڑی شہرت کے مالک ہیں کہ ان کا مفصل تذکرہ تحصیل حاصل کے زمرے میں آتا ہے، اس لئے ان مشاہیر اسلام کا صرف

Marfat.com

اجمالی ذکر بطور تبرک ہی کفایت کرتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں اوپر کے اسلاف میں سب سے پہلے بزرگ حضرت ابوالحسن سری بن مغلّس سقطی، رحمۃ اللہ علیہ، ہیں، مقامات تصوف پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو سب سے پہلے آپ ہی نے فرمائی (۴)، آپ حضرت جنید کے ماموں بھی ہیں مرشد بھی، حضرت داتا نے آپ کے تعارف کا آغاز حسبِ معمول مسجع و مقفی الفاظ میں یوں فرمایا ہے (۵):

''شیخ اهل حقائق و منقطع از جمله علائق.''

''یعنی حقائق شناس لوگوں کے پیر و استاد اور ہر قسم کے تعلقات سے الگ ہونے والے۔''

اکثر کتب تصوف میں آپ کی یہ دعا منقول و مقبول ہے (۶):

''اَللّٰهُمَّ! مَهمَا عَذَّبْتَنِي بِشَيْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِي بِذُلِّ الْحِجَابِ.''

''یعنی اے میرے اللہ! مجھے جو عذاب دینا پسند فرمائیں وہ دے لیجیے مگر اپنے دیدار کے درمیان اور میرے درمیان پردے حائل کرنے کے عذاب کی ذلت سے مجھے بچانا۔''

حضرت سری سقطی مرید تھے حضرت ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی رضی اللہ عنہ کے، کرخ شہر بغداد کا قدیم و معروف محلّہ تھا، اسی کی نسبت سے آپ کرخی کہلائے، آپ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے چنانچہ حضرت داتا صاحب حسبِ معمول آپ کے تعارف کا آغاز مسجع و مقفی عبارات سے کراتے ہوئے فرماتے ہیں (۷):

''متعلق درگاه خدا و پرورده علی رضا.''

''یعنی خدا کی درگاہ سے چمٹے رہنے والے اور امام علی رضا کے پالے ہوئے۔''

Marfat.com

حضرت کرخی کا قول ہے(۸):

''لِلْفِتْیَانِ ثَلاثُ عَلَامَاتٍ: وَفَاءٌ بِلَا خِلَافٍ وَمَدْحٌ بِلاجُوْدٍ وَعَطَاءٌ بِلَاسُوَالٍ.''

اہل دین کی تین نشانیاں ہیں:

وفا بغیر مخالفت، مدح کرنا بغیر عطا اور عطا بغیر سوال۔

حضرت معروف کرخی، رحمۃ اللہ علیہ، بیعت ہوئے تھے حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائی، رضی اللہ عنہ، سے جو فقیہ صوفی تھے اور حضرت امام اعظم، رضی اللہ عنہ، کے شاگرد خاص تھے، حضرت داتا صاحب ان کے تعارف کا آغاز یوں فرماتے ہیں(۹):

''امام مُعرض عن حلق و از طلب ریاست، و بریدہ از خلق بہ عزلت و قناعت.''

''یعنی امام تھے ماکولات کے لالچ سے اعراض کرنے والے اور طلب اقتدار سے دور رہنے والے، گوشہ نشینی اور قناعت کے ذریعہ مخلوق سے الگ تھلگ۔''

ان کا قول ہے کہ(۱۰):

''اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ، سَلِمْ عَلَی الدُّنْیا وَاِنْ اَرَدْتَ الْکَرَامَةَ، کَبِّرْ عَلَی الْاٰخِرَةِ.''

''اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو الوداع کہہ دے اور اگر عزت چاہتا ہے تو آخرت پر بھی تکبیر پڑھ دے!''

حضرت داود طائی، علیہ الرحمہ، حضرت حبیب عجمی، رحمۃ اللہ علیہ، سے بیعت تھے جو تبع تابعین میں بلند مقام رکھتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں صدق و اخلاص میں بہت اونچا مرتبہ عطا کیا تھا اور تصوف و طریقت کی دنیا میں بھی تو صدق وصفا اور امانت و اخلاص ہی درکار ہے، جسے

Marfat.com

یہ نصیب ہو جائے وہ اللہ کا ہے اور اللہ اس کا ہے، وہ پھر رسالت مآب ﷺ کے اس قول کا مصداق بن جاتا ہے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یعنی کتنے ہی پراگندہ بال غبار سے اٹے ہوئے ہوں گے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کچھ مانگے تو حق تعالیٰ اس کی اس قسم کو سچا کر دے گا! حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے، داتا پیر نے ان کے تعارف میں فرمایا (۱۱):

''شجاع طریقت و متمکن اندر شریعت''

''یعنی وہ راہ تصوف کے بہادر صوفی تھے اور شریعت میں پختہ قدم اور پختہ ایمان والے تھے۔'' نیز وہ ''بلند ہمت و با قیمت'' تھے!

حضرت حبیب عجمی امام حسن بصری، رحمۃ اللہ علیہ، کے ہاتھ پر ہی تائب ہوئے اور ان سے ہی بیعت ہونے کا شرف بھی پایا تھا۔

''زبانش عجمی بود، بر عربیت جاری نگشتہ بود، خداوند تعالیٰ و تقدس وی را بکرامات بسیار مخصوص گردانید''

''آپ کی زبان عجمی تھی، عربی میں رواں نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار کرامات سے نواز دیا تھا۔''

یہ ان کے صدق دل، خلوص نیت اور پاکیزہ باطن ہونے کا انعام تھا، وہ اپنی مسجد میں امامت کرا رہے تھے کہ امام حسن آ گئے مگر عربی تلفظ اچھا نہ ہونے کی وجہ سے قرآن درست نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے امام حسن نے ان کے پیچھے اس خیال سے نماز نہ پڑھی کہ ان کے پیچھے شرعاً شاید ان کی نماز جائز نہ ہو، اسی رات خواب میں اللہ تعالیٰ نے ان سے سرزنش کے انداز میں فرمایا:

''حسن! تجھے میری رضا حاصل کرنے کا موقع ملا تھا مگر تو نے وہ کھو دیا ہے (۱۲)!''

Marfat.com

امام حسن بصری سے حجاج بن یوسف ناراض تھا، حجاج کے سپاہیوں سے بچ کر انہوں نے حضرت حبیب عجمی کے حجرے میں پناہ لی، سپاہیوں نے آ کر پوچھا: کیا تو نے حسن کو دیکھا ہے؟ کہا: ہاں، تو وہ کدھر ہے؟ یہاں میرے کمرے میں! مگر سپاہی اندر آئے تو کچھ بھی نہ دکھائی دیا، دوسری اور تیسری بار بھی یہی بات دہرائی گئی تو حجاج کے سپاہی یہ کہہ کر چلے گئے کہ یہ دیوانہ یونہی جھوٹ بول رہا ہے! جب سپاہی چلے گئے تو امام حسن نے کہا: حبیب تو نے یہ کیا کیا؟ اگر تو یہ کہہ دیتا کہ مجھے خبر نہیں تو وہ باہر سے ہی چلے جاتے! یہ تو مجھے پتہ ہے کہ تمہاری کرامت سے وہ اندھے ہو گئے مگر یہ بات تو خطرے کی تھی نا؟ عرض کیا: ''یا مرشد! یہ میری کرامت نہ تھی بلکہ صدق گوئی کا کرشمہ تھا!''

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔ اس لئے ان میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تربیت اور سیرت و اخلاق مصطفیٰ ﷺ کی برکات تھیں، جو ان کے واسطے سے جنیدی مسلک تصوف کو منتقل ہوئیں!

حضرت داتا، علیہ الرحمہ، نے اپنی لازوال تصنیف میں دیگر متنوع، بیش بہا اور بے پایاں ذخیرہ معلومات کے علاوہ جہاں اپنے پیر و مرشد حضرت ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کے متعلق قیمتی معلومات جمع کر دی ہیں، جن سے اللہ کے اس نیک بندہ کی ایک قلمی تصویر مرتب ہو گئی ہے، وہاں انہوں نے اسی صحیفہ تصوف اسلامی میں سلسلۂ جنیدیہ اور اس کے منبع و سرچشمہ حضرت جنید بغدادی، رحمۃ اللہ علیہ، کی سیرت، شخصیت اور تعلیمات کے ضمن میں جو ذخیرہ معلومات پیش کیا ہے وہ بھی کافی مفصل اور جامع ہے۔

کشف المحجوب میں سلسلہ جنیدیہ کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا گیا ہے، مرشد لاہور فرماتے ہیں (۱۳):

''سلسلۂ جنیدیہ حضرت خواجہ ابوالقاسم الجنید بن محمد سے موسوم و منسوب ہے، آپ اپنے زمانے میں طاؤس العلماء (علماء کا مور) کے لقب سے

Marfat.com

ملقب تھے اور سید الطائفہ و امام الطائفہ (یعنی گروہ صوفیہ کے سردار اور امام کہلاتے تھے)، آپ کا مسلکِ تصوف سلسلۂ طیفوریہ کے برعکس ہے، طیفوریہ خواجہ ابو یزید (بایزید) طیفور بن عیسیٰ بسطامی، رحمۃ اللہ سے منسوب ہے اور سُکر کا قائل ہے جب کہ سلسلۂ جنیدیہ صَحْو کو مانتا ہے، صحو مشہور ترین اور معروف ترین مسلک تصوف ہے، کیونکہ اکثر مشائخ عظام کا یہی مسلک رہا ہے۔ اس موضوع (سُکر و صَحو) کے علاوہ ان (دو مسالک) کے درمیان اور بھی فرق اور امتیاز ہے جو میں طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کرتا۔''

سکر کے معنی نشہ و مستی ہے، جب کہ صحو کا مطلب ہوش و حواس میں رہنا ہے، سکر کے قائل جذب و شوق میں مست رہتے ہیں، اکثر مجاذیب (واحد مجذوب) کا تعلق اسی گروہ سے ہے، اس کے برعکس صحو کے قائل ہوش و حواس پر قابو رکھتے ہوئے عقل و خرد اور دانائی و ذمہ داری کا اسلوب زندگی اپناتے ہیں۔ داتا پیر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حضرت جنید بغدادی، رحمۃ اللہ علیہ، کا مسلک صحو سمجھانے کے لئے ایک کامیاب مُعلّم اور حکمت و دانائی سے لبریز عالم دین کا طریقہ اور اسلوب اختیار کیا ہے، اگر وہ صرف ''صحو'' کو محض اور مجرد و خالی طریقہ سے سمجھاتے تو ان کی بات شاید اس قدر آسانی سے اور مؤثر طور پر سمجھ میں نہ آتی، لیکن انہوں نے صحو کے ساتھ اس کی ضد ''سُکر'' کو بھی ساتھ ساتھ پیش کیا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ صحو کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے بلکہ بات کھل کر واضح بھی ہو گئی ہے، عرب کے بہت بڑے شاعر احمد متنبّی نے کیا خوب کہا ہے کہ (۱۴):

''وَبِا ضِدادِهَا تَتبَيَّنُ الْاُشْيَاءُ''

''یعنی چیزیں اپنی ضد سے زیادہ واضح ہو جایا کرتی ہیں۔''

ہمارے مرشدِ لاہور حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، علیہ الرحمۃ، اور ان

Marfat.com

کے پیر و مرشد حضرت الشیخ ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی، علیہ الرحمہ، کے سلسلۂ تصوف اسلامی میں شریعت اسلامی کی مکمل پیروی واجب ہے، ان کے نزدیک تصوف وطریقت کی اساس اور مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی ہے، ان کے ہاں طریقت و شریعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، جو تصوف یا طریقت کتاب و سنت سے باہر ہے اس کا اسلامی تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ تو زندیقیت و بے دینی اور کفر و الحاد ہے، وہ اس سے اپنی برائت اور بے زاری کا اعلان کرتے ہیں، حضرت ختلی شیخ العراق حضرت ابو الحسن علی بن ابراہیم الحصری، رحمۃ اللہ علیہ، سے بیعت و نسبت رکھتے ہیں جو سلسلۂ جنیدیہ کے پیرو کار رہے ہیں، یہ سلسلۂ جنیدیہ سختی کے ساتھ شریعت کا پابند ہے اور اس کی نسبت حضرت شیخ ابو القاسم الجنید بن محمد بن الجنید البغدادی الخزاز متوفی ۲۹۷ھ (۹۱۰ء) سے ہے جن کا مولد و منشا اور مدفن بغداد ہے، ان کے والد شیشیوں کا کاروبار کرتے تھے اس لئے القواریری کہلاتے تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ریشم کا کاروبار کرتے تھے اس لئے خزاز کہلاتے تھے، ان کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ وہ ایک نادرۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے، ان کی مجالس گفتگو میں انشاء پرداز، شعراء اور ادیب اس لئے حاضر ہوتے تھے کہ انہیں نئے سے نئے الفاظ اور نئی سے نئی تراکیب سننے کو ملتی تھیں کیونکہ حضرت جنید فصاحت و بلاغت میں بلند مرتبہ کے مالک تھے، متکلمین اور خطباء کو نئے سے نئے افکار و معانی میسر آتے تھے، ان کے نزدیک اسلامی تصوف کا سرچشمہ چونکہ کتاب و سنت تھی اس لئے انہیں ''شیخ تصوف'' مانا گیا ہے ان کا کہنا تھا کہ جس کو قرآن کریم حفظ نہ ہو، حدیث نہ لکھتا ہو اور فقہ سے آگاہ نہ ہو اس کی اقتداء میں نماز نہیں ہوسکتی (۱۵)۔

حضرت داتا صاحب نے ان کا تعارف یوں پیش فرمایا ہے (۱۶):

''طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں امام الائمہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی قدس سرہ کا کمال یہ ہے کہ اہل ظاہر اور اہل

Marfat.com

باطن دونوں کے ہاں وہ یکساں مقبول تھے، آپ تمام علوم وفنون اسلامیہ میں کمال کا درجہ رکھتے تھے اور اصول وفروع میں مفتی تھے، آپ حضرت سفیان ثوری، رحمۃ اللہ علیہ، کے احباب میں سے تھے، آپ کے اقوال اس قدر بلند اور احوال اس قدر کامل تھے کہ آپ کی امامت پر تمام اہل طریقت متفق ہیں اور کسی مدعی اور متصرف کو آپ سے اعراض نہیں ہے، آپ حضرت سری سقطی کے بھانجے اور مرید تھے۔''

حضرت جنید آٹھ اولوالعزم انبیائے کرام کی سیرت وشخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تصوف کی آٹھ بنیادیں یا خصائل (واحد خصلت) قرار دیتے ہیں:

(۱) سخاوت (۲) رضا (۳) صبر (۴) اشارہ
(۵) غربت (۶) لباس صوف (۷) سیاحت (۸) فقر

یعنی سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہو کہ بیٹے کو راہ حق میں قربانی کے لئے پیش کر دیا، رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سی ہو کہ راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کر دی، صبر حضرت ایوب علیہ السلام جیسا ہو، اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سا ہو، غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سی ہو، لباس صوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہو اور فقر حضرت محمد ﷺ جیسا ہو کہ آپ نے فرمایا الفقر فخری یعنی فقر تو میرے لئے باعث فخر ہے!

حضرت جنید بغدادی بڑے فراخ دل اور دوست نواز تھے، شیخ ابوالحسن احمد بن محمد نوری خراسانی، علیہ الرحمہ، ایک مستقل مسلک تصوف رکھتے تھے جو سلسلہ نوریہ کہلاتا ہے، حضرت داتا صاحب نے نوری مسلک تصوف کو سراہتے ہوئے فرمایا ہے(۱۷):

''حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک (تصوف) اس لحاظ سے بہت ارفع واعلیٰ ہے کہ ترک مداہنت (دین کے معاملہ میں ڈھیلا

Marfat.com

ڈھالا موقف اختیار کرنا)، دفع مسامحت (دین کے معاملہ میں چشم پوشی سے کام لینے کو روکنا) اور دوام مجاہدت (اللہ تعالیٰ تک رسائی کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا) آپ کے مسلک تصوف کی امتیازی تعلیم ہے۔''

وہ حضرت جنید کے پیر بھائی اور ان کے ماموں سری سقطی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے بے تکلف دوست تھے اور اکثر میل ملاقات اور روحانی معاملات میں تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا تھا، خود شیخ نوری کا فرمان ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی کے ہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیخِ صوفیہ مسند پر تشریف فرما ہیں، میں نے عرض کیا (۱۸):

''ابوالقاسم! آپ نے لوگوں سے حق بات چھپائی تو انہوں نے آپ کو تو مسند پر بٹھا دیا ہے جب کہ میں نے انہیں حق بات بتائی تو انہوں نے پتھروں سے میری تواضع کی! اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو غفلت اور تن آسانی ترک کرنے کی نصیحت کی جائے تو مخالفت پر اتر آتے ہیں اور ان کی ہوا و ہوس کی مخالفت کی جائے تو دشمن بن جاتے ہیں مگر جو ان کے ہوا و ہوس کی مخالفت نہ کرے تو اس سے پیار کرنے لگتے ہیں!''

کشف المحجوب میں حضرت نوری اور جنید بغدادی کی بے تکلفانہ دوستی اور باہمی خیر خواہی کے حوالے سے ایک دلچسپ قصہ بھی منقول ہے، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہلِ ایمان جب سورت العصر کی ہدایت کے مطابق ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال کی بھی ایک دوسرے کو تلقین کرتے اور خوش دلی سے اسے قبول کرتے ہیں، فرماتے ہیں (۱۹):

''حکایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ابوالحسن نوری، رحمۃ اللہ علیہ، اپنے گھر کے اندر تین دن رات ایک ہی جگہ کھڑے نعرے لگاتے جا رہے تھے، جب حضرت جنید سے اس کا ذکر ہوا تو وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا ابوالحسن! اگر تمہیں یقین ہے کہ اس طرح آہ و فریاد سے

Marfat.com

سے کوئی فائدہ ہے تو مجھے بھی بتادے تاکہ میں بھی یہی کام کروں، اور اگر تجھے معلوم ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے تو پھر شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کر، تاکہ تجھے سکون حاصل ہو، یہ سن کر شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور پھر کہنے لگے:

''ابوالقاسم! آپ ہمارے لئے بہت اچھے معلم و رہنما ثابت ہوئے ہیں!''

حضرت جنید بغدادی، رحمۃ اللہ علیہ کی عملی زندگی اور مسلکی موقف تحمل و برداشت کے حوالے سے بھی قابل تقلید اور ایک دعوت عمل ہے، سکر و صحو اسلامی تصوف کی دنیا میں دو مخالف و متضاد مسالک رہے ہیں، حضرت بایزید بسطامی، رحمۃ اللہ علیہ، کا اسم گرامی طیفور بن عیسی ہے، ان کا مسلک تصوف سلسلۂ طیفوریہ کہلاتا ہے جو سُکر کا قائل ہے جب کہ جُنیدی سلسلہ صَحو پر یقین رکھتا ہے، دونوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں اور ایک دوسرے کے دلائل کا جواب اور ابطال بھی سب کو معلوم ہے مگر حضرت ابو یزید بسطامی کے مسلک کے برعکس ان کی ذات سے حضرت جنید کو بہت پیار تھا اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے، داتا پیر نے حضرت بسطامی کا تعارف ان الفاظ میں دیا ہے (۲۰):

''فَلَکِ معرفت و فُلْکِ مَحَبت''

''یعنی معرفت کا آسمان اور محبت کی کشتی۔''

حضرت ابو یزید طیفور بن عیسی بسطامی، رحمۃ اللہ علیہ، کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے، آپ کا مقام بہت بلند اور حال بے حد قوی تھا۔''

حضرت داتا پیر اور ان کے پیر و مرشد حضرت ختلی، رحمۃ اللہ علیہما، سلسلۂ جنیدیہ سے وابستہ ہیں مگر حضرت بسطامی کے تذکرہ کا آغاز حسب معمول مسجع و مقفی الفاظ سے کرتے ہیں مگر یہ الفاظ محبت و احترام سے چھلک رہے ہیں، حضرت جنید نے ان کے متعلق تبصرہ کے انداز میں رائے دی ہے جسے مرشد لاہور بھی یہاں نقل کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

''اَبَا یَزِیۡدَ مِنَّا بِمَنۡزِلَةِ جِبۡرِیۡلَ مِنَ الۡمَلَا ئِکَةِ.''

''یعنی ہمارے درمیان بایزید (بسطامی) کو وہی قدر و منزلت حاصل ہے
جو حضرت جبریل علیہ السلام کو فرشتوں کے درمیان حاصل ہے (۲۱)!''

یوں تو اپنے عہد کے تمام صوفیاء کرام اور اولیاء عظام سے حضرت جنید بغدادی کے تعلقات تھے اور تصوف و طریقت کے میدان میں ان تمام بزرگوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور حاصل کیا مگر ان میں سے بعض کے ساتھ آپ کے تعلق، تبادلہ خیالات اور استفادہ و استفاضہ یعنی علم سیکھنے اور فیض معرفت کے ضمن میں بڑی اہمیت حاصل ہے، حضرت جنید اپنے مواعظ و تقاریر سے عوام الناس کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سامان تو کرتے ہی تھے مگر بڑے بڑے صوفیاء کرام کی روحانی مشکلات حل کرنے اور انہیں راہ راست پر ڈالنے میں بھی آپ کی خدمات قابل قدر ہیں، منصور حلاج اہل سکر میں سے تھا اور حضرت جنید کے مرید خاص حضرت ابوبکر شبلی کا دوست بھی تھا، اسے راہ اعتدال پر ڈالنے میں بھی آپ نے خصوصی توجہ فرمائی، منصور اہل سکر کے مسلک پر تھا مگر کبھی کبھی اسے اہل صحو کی روش بھی اچھی لگنے لگتی تھی، یہ تلون مزاجی نتیجہ تھا منصور کی کم علمی اور بلند عقلی کا، جتنا وہ عقل و فکر میں تیز اور بلند تھا اتنا اس کے پاس علم صحیح نہیں تھا، حضرت جنید نے منصور کو صحو کی طرف مائل ہونے کے بجائے سکر پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی اور اپنے حلقہ میں شامل کرنے کے بجائے اسے اپنے مرشد اوّل کی صحبت کا التزام رکھنے کی تلقین اور تاکید فرمائی۔

حضرت داتا صاحب نے بغداد میں قیام کے دوران میں منصور حلاج کے احوال کو قریب سے اور گہرائی کے ساتھ سمجھا تھا اور وہ اس معاملہ میں اپنے پڑدادا مرشد حضرت جنید بغدادی کی رائے اور موقف سے بھی بخوبی آگاہ تھے اس لئے آپ نے اپنی کتاب تصوف میں منصور حلاج کی تعریف بھی کی ہے اور اس کے موقف کا دفاع کرتے ہوئے اس کی تاویل اور تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے (۲۲):

Marfat.com

فقر اور غنی (غِنا) یعنی خالی ہاتھ ہونا یا محتاج ہونا اور دولت مند ہونا، بے نیاز ہونا یا سرمایہ دار ہونا بھی ان مسائل میں سے ہیں جو تمام اہل علم وفضل کے ہاں معرکتہ الآراء بحث و مباحثہ کے موضوعات رہے ہیں، علماء، متکلمین، فلاسفہ اور صوفیاء کرام کی آپس میں بحث رہی ہے کہ ان دونوں حالتوں .... فقر و غنا .... میں سے کون سی حالت بندہ کے حق میں بہتر، قابل ترجیح اور افضل ہے؟ شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن سہل الادمی (مقتول ۳۰۹ھ)، جو زیادہ تر ابن عطا کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور منصور حلاج کے دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھے اور حضرت جنید بغدادی کے شاگرد اور مرید بھی تھے (۲۳)، ایک دفعہ اپنے مربی و مرشد سے بحث کر رہے تھے اور ان کا یہ موقف تھا کہ غنا یعنی تونگری و دولت مندی فقر سے افضل ہے، اس لئے اغنیاء فقراء سے افضل ہیں کیونکہ انہیں اپنے رب کے حضور میں حساب دینا ہوگا اور خدا ان سے دولت کے متعلق سوال کرے گا تو اس طرح گویا ان اغنیاء کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا موقع تو مل جائے گا خواہ عتاب کی شکل میں ہی سہی، دوست اور محبوب کا تو عتاب بھی محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس پر حضرت جنید نے اپنے شاگرد اور مرید سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو درست ہے کہ غنی اور دولت مند لوگوں سے عتاب کی شکل میں خدا سے خطاب یا ہمکلامی کا موقع تو ہوگا مگر اس کے مقابلے میں فقراء تو معافی اور بخشش سے نوازے جائیں گے جو عتاب سے بہتر اور افضل ہے۔ حضرت داتا صاحب ان دونوں .... مرشد جنید اور مرید ابن عطاء .... کے مواقف پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک عجب موقف اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں (۲۴) کہ عتاب ہو یا معافی دونوں صورتیں دوستی، محبت اور یگانگی کے خلاف ہیں کیونکہ عتاب بھی ارتکاب گناہ پر ہوتا ہے اور معافی بھی ارتکاب جرم کے بعد ہوتی ہے، دوست تو وہ ہے جو دوست کے حکم کی خلاف ورزی پر عتاب یا معافی سے بھی محفوظ رہے اور اس کا موقع ہی نہ دے، تو اس میں اصل یہ ہے کہ ہر حال میں بندہ حکم خداوندی پر راضی و مطمئن ہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے، شکر کی صورت میں فقر

Marfat.com

سلمانی (حضرت سلمان فارسی، رضی اللہ عنہ کا سا فقر) اور غنائے سلیمانی (حضرت سلیمان علیہ السلام کی سی دولت مندی) دونوں ہی مقبول ہیں، اللہ تعالیٰ نے فقر ایوب علیہ السلام بوجہ صبر ایوب اور غنائے سلیمان بوجہ اطاعت ربانی، دونوں کو ''نعم العبد'' بہت اچھا بندہ کے خطاب (۲۵) سے نوازا ہے، حضرت محمد ﷺ نے فقر و غنا دونوں پر شکر ادا کر کے راہ اعتدال اختیار فرمائی۔اس لئے یہی راہ اعتدال ہی افضل، بہتر اور برتر ہے!

حضرت ابوبکر شبلی جنیدی سلسلے کی دوسری کڑی ہیں، حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری، جو حضرت داتا صاحب کے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل ختلی کے مرشد بھی تھے وہ حضرت شبلی کے مرید ہیں۔اس طرح گویا حضرت داتا صاحب حضرت جنید بغدادی کے سلسلہ جنیدیہ میں پانچویں درجے میں آتے ہیں۔

ابوبکر شبلی بغداد کے قرب و جوار میں ایک گاؤں (شبلیہ) کے رہنے والے تھے، ان کی پیدائش سامرہ (سُرَّ مَنْ رَأی) میں ہوئی، تقریباً اسی سال کی عمر میں ۳۳۴ھ میں فوت ہوئے، آپ کا اصل نام دُلَفُ بن جَحْدَرُ (یا جعفر بن یونس یا جعفر بن دُلف) تھا، ان کے والد عباسی خلفاء کے حاجب تھے، وہ خود بھی احمد الموفق کے حاجب تھے، جب احمد کو معزول کر دیا گیا تو شبلی بھی سب کچھ چھوڑ کر تصوف کی دنیا میں آ گئے، فقہ میں وہ امام مالک کے پیروکار تھے، راویانِ حدیث میں سے ہیں، آپ شعر بھی کہہ لیتے تھے (۲۶)۔

آپ سے پوچھا گیا تھا کہ عارف باللہ یا منزلِ مراد پانے والے صوفی کی نشانی کیا ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ:

''صَدْرُہٗ مَشْرُوْحٌ وقلبہٗ مجروحٌ وَ جِسْمُہٗ مَطْرُوْحٌ۔''

''یعنی عارف باللہ وہ ہے جس کا سینہ فراخ ہوتا ہے، اس کا دل زخم خوردہ ہوتا ہے اور اس کا جسم پھینکا ہوا اور گرا پڑا ہوتا ہے۔''

حضرت مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، نے شیخ ابوبکر شبلی کا بھی کشف المحجوب میں تذکرہ

Marfat.com

کیا ہے، حسبِ معمول تذکرہ کا آغاز مسجع و مقفی الفاظ میں یوں کرتے ہیں (۲۷):

"ومنهم سكينه احوال و سفينه مقال ابوبكر دُلف بن جَحْدَر الشبلی، رضی الله عنه"

"یعنی ان کبار صوفیاء میں سے شیخ ابوبکر دلف بن جحدر شبلی، رضی اللہ عنہ، بھی ہیں جو حال و مستی میں سکون پانے والے اور گفتگو کرنے میں سمندر کا جہاز تھے!!"

مزید فرمایا کہ وہ بڑے مشائخ میں سے تھے اور بڑے متقی تھے، ان کے نازک اشارات قابل ستائش ہوتے تھے، اپنے وقت کے بڑے مہذب اور پاکیزہ انسان تھے، حضرت داتا صاحب لکھتے ہیں کہ متاخرین صوفیاء میں سے ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ تین چیزیں دنیا کے عجائبات میں سے ہیں، ایک شبلی کے رمزی اشارات، دوسرے شیخ مُرتعش کے نازک نکات اور تیسرے شیخ جعفر کی حکایات اور قصے (۲۸)! شیخ شبلی حاجب الحجاب (چیف سیکریٹری) خلیفہ عباسی کے بیٹے تھے، انہوں نے شیخ خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ، کے سامنے توبہ کی تھی اور شیخ جنید بغدادی سے بیعت ہوئے تھے، اس کے علاوہ وہ دیگر صوفیاء کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے استفادہ بھی کیا۔

حضرت ابوبکر شبلی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ" کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ ظاہری آنکھوں کو غیر محرم عورتوں سے بچاؤ اور دل کی آنکھوں کو ماسوا اللہ سے بچا کر رکھو!" یعنی شہوت کی پیروی میں غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھیں اور دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے خیال کے اور کسی کا خیال نہ آنے دیں!

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت شبلی کا بازار سے گزر ہوا تو لوگ کہنے لگے: دیکھو یہ دیوانہ ہے! کہا اچھا میں تو تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں مگر تم میرے نزدیک ہوشیار ہو، اللہ تعالیٰ میری دیوانگی کو بڑھائے اور تمہاری ہوشیاری کو بڑھائے! مقصد یہ تھا کہ میں تو اپنے رب

Marfat.com

کی محبت میں دیوانہ ہوں خدا مجھے مزید دیوانہ بنا کر اپنے قریب کر لے اور تم دنیا کے لئے ہوشیار ہو اس لئے وہ تمہاری اس ہوشیاری میں اضافہ فرما کر تمہیں دنیا کے مزید قریب اور اپنے آپ سے دور کر دے!

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ (۲۹):

"وایں قول از غیرت بود که تا خود چرا کسے اندر آن درجه باشد که دوستی را از دیوانگی فرق نکند، واللّٰه اعلم"

''یعنی آپ کا یہ کہنا از راہ غیرتِ ایمانی اور بوجہ غصہ تھا کہ لوگ اس قدر غافل اور اندھے ہیں کہ محبت اور دیوانگی میں تمیز بھی نہیں کر سکتے!''

رموز و اشارات تصوف کی زبان ہے۔صوفیاء کرام کے شطحات و رموز بہت نازک اور بے حد گہرے بھی ہوتے ہیں، عام آدمی کے سمجھنے سمجھانے کے نہیں ہوتے، اسی لئے اہل علم مجذوب صوفیوں سے چشم پوشی اور درگزر کی تلقین کرتے ہیں، ان رموز و اشارات کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے مگر لوگ ناسمجھی یا غلط فہمی کا شکار ہو کر غلطیاں کرتے ہیں، مثلاً منصور حلاج سکر و مستی کا صوفی تھا، اس کے کلام کے سیاق و سباق سے ناواقفیت کے باعث حلاج کے متعلق غلط رائے قائم کر لی گئی اور نقصان ہو گیا، حضرت داتا صاحب نہ صرف یہ کہ حلاج کے موقف کو سمجھتے تھے بلکہ اس کا ہمدردانہ دفاع بھی کیا، صوفیانہ رمز و اشارہ کی بات کرنے میں حضرت ابو بکر شبلی حلاج کے قریب تھے اور اس سے گہری مشابہت و مماثلت بھی رکھتے تھے، رمز و اشارہ کی صوفیانہ باتوں میں سے شبلی کا یہ قول بھی ہے کہ:

"اَلتَّصَوُّفُ شِرۡکٌ لِاَنَّهٗ صِیَانَةُ الۡقلبِ عَنۡ رُؤۡیَةِ الۡغَیۡرِ وَلَا غَیۡرَ."

''یعنی تصوف بھی شرک ہے کیونکہ (دعویٰ یہ ہے کہ تصوف) نام ہے دل کو غیر اللہ سے بچا کر رکھنا مگر غیر تو ہے ہی نہیں۔''

شبلی کے اس قول کی رو سے تصوف بھی شرک بن گیا اور وہ اس طرح کہ یہ کہہ کر کہ

Marfat.com

تصوف کا مقصد دل کو غیر اللہ سے بچانا ہے تو گویا آپ غیر کے وجود کو تسلیم کر رہے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا ہی تو شرک ہے؟ تو یوں تصوف کا قائل ہونا گویا غیر اللہ کے وجود کو ماننا ہے اور غیر اللہ کے وجود کو ماننا شرک ہے تو تصوف بھی شرک ہوا!

وحدۃ الوجود کے سلسلے میں بڑی بڑی لغزشیں ہوتی رہی ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وجود تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، تو پھر یہ کائنات اور اس میں موجود چیزوں کا وجود ہی نہیں تو پھر جو کچھ ہے یا جو کچھ موجود ہے وہ کیا ہے؟ اگر صرف اللہ ہی موجود ہے تو پھر جو کچھ بھی موجود نظر آتا ہے وہ بھی خدا ہی ہوا؟ یہ دراصل ذہنی مغالطہ ہے، بات اصل میں صرف موجود ہونے یا نہ ہونے کی نہیں ہے بلکہ بات ہے حقیقی وجود کی، حقیقی وجود یہ ہے کہ اس پر عدم کبھی طاری ہوا، نہ ہوگا نہ ہو سکتا ہے لیکن جو چیز نہیں تھی یعنی اس کا وجود تھا ہی نہیں مگر پھر وجود میں آ گئی تو یہ وجود یا موجود نہیں بلکہ حادث ہے یعنی نو پید ہے تو جو نو پید ہے وہ ناپید بھی ہو جائے گا، مگر اللہ کی ذات کا وجود ایسا ہے جو نو پید نہیں ہے اور نہ وہ ناپید ہوگا، اس طرح حقیقی وجود صرف اور صرف اللہ ہی کا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لئے حقیقت میں موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہی وحدۃ الوجود ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ موجود صرف اللہ ہے حالانکہ کائنات اور اس کی چیزیں بھی تو موجود ہیں تو اس طرح تو سب اللہ ہی اللہ ہے۔ اس لئے سب چیزیں بھی اللہ ہی ہیں! اگر ایسے ہے تو پھر اللہ کو سجدہ کرو یا کسی اور چیز مثلاً بت کو سجدہ کرو تو بات تو ایک ہی ہوئی؟ حالانکہ یہ محض مغالطہ یا غلط فہمی ہے یعنی آپ نے وحدۃ الوجود کا معنی ہی غلط سمجھا ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ جو کچھ موجود نظر آتا ہے وہ اللہ ہی اللہ ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی وجود صرف اس ذات پاک کا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، یہ کائنات اور اس میں موجود چیزیں نہ ہمیشہ سے تھیں اور نہ ہمیشہ رہیں گی بلکہ نہیں تھیں اور ہو گئیں پھر کبھی نہیں بھی ہوں گی!

تو گویا حقیقی وجود اور غیر حقیقی وجود برابر نہیں ہو سکتے! جو چیز حادث یا نو پید ہے یعنی نئی پیدا ہوئی ہے وہ اپنا وجود ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتی بلکہ فنا اور ناپید ہو جائے گی وجود تو صرف

Marfat.com

وہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ صرف اللہ کی ذات پاک کا وجود ہے!

اس مسئلے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم اپنی ان فانی آنکھوں سے جو دیکھ رہے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں وہ بھی فانی ہے! ہم اپنی ان فانی آنکھوں سے غیر فانی یا حقیقی وجود کو تو دیکھ بھی نہیں سکتے اس لئے ہم ان مادی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ بھی نہیں سکتے! بلکہ حواس خمسہ میں سے کسی قوت حاسہ مثلاً دیکھنا، سننا، چھونا، چکھنا، اور سمجھنا سے خدا تعالیٰ کے حوالے سے ممکن نہیں ہے! جو کچھ آپ نے دیکھا، سنا، چھوا، چکھا اور عقل سے سمجھا وہ خدا نہیں ہے! اس لئے قرآن کریم میں یہ ارشاد ربانی بات ہی ختم کر دیتا ہے کہ (۳۱):

"لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ."

"یعنی فانی انسان کے حواس خمسہ (یا دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سمجھنے کی پانچ صلاحیتیں) اللہ تعالیٰ کا ادراک بالکل نہیں کر سکتے جب کہ وہ ذات باری تعالیٰ ان پانچوں حواس کا بھی ادراک کر سکتا ہے!!"

گویا نظر، کان اور عقل وغیرہ کے گھوڑے ہر جگہ نہیں دوڑ سکتے، آپ کی نظر کی بھی ایک حد ہے اس سے آگے نہیں جا سکتی، اسی طرح ہر بات عقل سے بھی حل نہیں ہو سکتی بقول شیخ سعدی:

نہ ہر جائے مرکب تو ان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

"یعنی ہر جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جا سکتا کیونکہ کتنی ہی جگہیں ایسی ہیں جہاں ہتھیار ڈالنا ہی پڑتے ہیں!"

یہ مسئلہ ابو بکر شبلی کے اس قول سے بھی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ (۳۲):

"اَنَا وَالحلَّاجُ فی شیءٍ واحدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنونی وَاَهْلَکَهٗ عَقْلُهٗ."

"یعنی میں اور حلاج ایک ہی چیز ہیں، بس مجھے جنون یا دیوانگی نے بچا لیا اور اسے عقل نے ہلاک کر دیا (حلاج اور شبلی دوست بھی تھے!)۔"

Marfat.com

سید ہجویر شیخ ابوالحسن علی بن عثمان، رحمۃ اللہ علیہ، کے پیرو مرشد حضرت شیخ ختلی، رحمۃ اللہ علیہ، کے استاذِ حدیث اور پیر طریقت شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری، رحمۃ اللہ علیہ، کو نہ صرف یہ کہ سلسلۂ جنیدیہ کے ارباب تصوف وطریقت میں بے حد نمایاں اور پروقار مرتبہ ومقام حاصل ہے بلکہ انہیں اپنے عہد کی عرب اور اسلامی دنیا میں بھی بلند مقام اور احترام حاصل تھا، وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے مگر علم وعرفان کی پیاس ان کو کشاں کشاں دارالسلام بغداد لے گئی جو اس وقت بنوعباس کا دارالخلافہ ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے سیاست کا بھی مرکز و محور تھا، دنیا بھر کے دارالحکومت، اس زمانے کے یورپی سیاست کے قبلہ فرانس کے پرہیبت بادشاہ چارلمان کے پیرس سمیت، عباسی بغداد کو سب جھک کر سلام کرتے تھے لیکن امام حصری کے عہد کے بغداد کا اصل وقار اور عظمت وجلال تو وہ علوم ومعارف تھے جن سے بے شمار لائبریریوں اور کتب خانوں کے در و دیوار روشن تھے، دینی علوم سے علماء اسلام ان لائبریریوں اور کتب خانوں کو بھر رہے تھے، بغداد کے محدثین کرام حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری، رحمۃ اللہ علیہ، جیسے جلیل القدر محدث اور جامع صحیح مرتب کرنے والے اہل علم کا امتحان لینے کا بھی حق رکھتے تھے، انہی بغدادی محدثین کرام سے سند حدیث لینے اور علوم ومعارف کے سرچشموں سے سیراب ہونے کے لئے علی الحصری بصرہ سے بغداد پہنچے اور بہت جلد بغداد کی ایک جامع مسجد کے خطیب بنادیئے گئے جو مدتوں تک انہی کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھی، لوگ انہیں شیخ العراق اور لسان العصر کے القاب سے یاد کرنے لگے تھے (۳۳)، داتا پیر نے اپنے مرشد کے اس مرشد کا تعارف کرواتے ہوئے یوں فرمایا ہے (۳۴):

"سرورِسر سالکانِ طریق حق یعنی حق تعالیٰ کے رستے پر چلنے والوں کے راز کے سردار وامانت دار اور جمالِ جانہائے اہل تحقیق حق یعنی حق کی تلاش کرنے والوں کی روحوں کا حسن وجمال، حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری کا شمار حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین اور مشائخ کبار میں ہوتا ہے،

Marfat.com

آپ یگانہ روزگار تھے، آپ کا کلام حقائق و معارف سے لبریز ہے!''

اپنے مریدین کو ریاکاری اور تکلف سے بچنے کے لئے آپ نہایت مؤثر عملی طریقے اختیار فرماتے تھے جن میں سے بعض شیخ ختلی بھی اپنے تلامیذ و مریدین کو سنایا کرتے تھے، ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ہجویری (۳۵) نے بھی ذکر کیا ہے، علی الحصری کے اقوال بھی قابل توجہ ہیں مثلاً آپ نے فرمایا (۳۶):

۱۔ التصوف صفاء السِّر من کدورۃ المخالفۃ : تصوف یہ ہے کہ دل مخالفت کے گدلے پن سے پاک ہو!

۲۔ الصوفی لایَنزَعِجُ فِی انزِعاجِہ ولا یقر فی قرارہٗ: صوفی پریشانی میں پریشان نہیں ہوتا اور اپنے سکون کے وقت پر سکون نہیں ہوتا (یہ دراصل وہ کیفیت ہے جو غم اور خوشی کے متعلق فرمان ربی ہے (۳۷)، تاکہ جو کھو جائے اس پر غمگین مت ہو اور جو وہ عطا فرما دے اس پر خوشی میں آپے سے باہر مت ہو۔''

۳۔ الصوفی لا یوجد بعد عدمہ ولا یُعدم بعد وُجُودِہٖ : صوفی وہ ہے جو ہونے اور نہ ہونے سے بے نیاز ہوتا ہے اس کے نزدیک عدم اور وجود بے معنی ہیں، جو موجود نہیں وہ معدوم کیا ہوگا کہ اصل وجود تو صرف ذاتِ واجب الوجود کا ہے۔

حضرتِ شیخ العراق ابوالحسن علی الحصری، رحمۃ اللہ علیہ، علم و تصوف کے مجمع البحرین تو تھے ہی مگر وہ علم و فکر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی تھے اور اس کا حقیقی اظہار اس وقت ہوتا تھا جب آپ کسی موضوع پر بات کرتے ہوئے فصاحت و بلاغت کے صرف دریا ہی نہیں بہا دیتے تھے بلکہ ایسا سمندر لگتے تھے جس کا کوئی ساحل نہیں ہوتا۔ اسی لئے لوگ انہیں لسان العراق (عراق کی فصاحت و بلاغت والا) کہتے تھے مگر ان کی یہ فصاحت اور بلاغت علم اور تصوف کے دو سمندر لگتے تھے اس لئے وہ مجمع البحرین (دو سمندروں کا سنگم) تھے مگر گہرائی فکر و معنی کا یہ عالم تھا کہ ان پر بحر زخار (ٹھاٹھیں مارتا ہوا گہرا سمندر) کا بھی اطلاق ہوتا تھا چنانچہ

Marfat.com

حضرت حصری اپنے جنیدی سلسلے کے ایک ولی اللہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی، رحمۃ اللہ علیہ، جنہیں داتا پیر (لسان محبت و وفا، زین طریقت و وِلا یعنی پیار اور وفاداری کی زبان اور طریقت و ولایت یا تصوف اور دوستی کی زینت) قرار دیتے ہیں (۳۸)۔ ان کے متعلق حضرت حصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ نام کی دو ہستیاں پیدا فرمائی ہیں، ان میں سے ایک تو نبی تھے اور دوسرے ولی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی یحییٰ علیہ السلام خوف و رجاء کی تفسیر ہیں کیونکہ انہوں نے خوف خدا کا طریقہ اس قدر اپنایا کہ تمام اللہ والے خوف میں ڈوب گئے اور رجاء یعنی اللہ سے امید کا رستہ یوں اختیار کیا کہ رجائیت کے تمام دعویداروں پر سبقت لے گئے! اس پر پوچھا گیا کہ نبی یحییٰ علیہ السلام کا حال تو آپ نے بیان فرما دیا ہے۔ ذرا ولی اللہ یحییٰ رازی کا حال بھی بیان فرما دیجئے؟

حضرت حصری (۳۹) فرمانے لگے کہ یحییٰ بن معاذ رازی، رحمۃ اللہ علیہ، کا حال بھی سن لیجیے کہ وہ کبھی جاہلیت میں نہیں رہے اور نہ ان سے کبھی گناہ کبیرہ سرزد ہوا، وہ معاملات زندگی میں اس قدر پکے تھے کہ ان کی اور کہیں مثال نہیں ملتی! کسی نے ان سے پوچھا تھا کہ یا حضرت آپ کا مقام تو مقام رجاء ہے مگر یوں لگتا ہے کہ آپ مقام خوف پر ہیں؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ شیخ رازی نے جواب میں فرمایا تھا: کہ بیٹے اچھی طرح سن لو اور یاد رکھو کہ بندہ کے لئے عبودیت یعنی بندہ بن کر رہنا شرط ایمان ہے! خوف و رجاء ایمان کے ستون ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (۴۰)، اس لئے جب تک بندہ خوف و رجاء کو اپنائے رکھتا ہے اس کا گمراہ ہونا محال ہے، خائف محرومی کے خوف سے عبادت کرتا ہے جب کہ راجی وصل کی امید میں عبادت کرتا ہے، یوں خوف و رجاء دونوں کی غرض و غایت عبادت ہی ہے اور جب عبادت میسر آ جاتی ہے تو خوف بھی عبادت بن جاتا ہے اور رجاء بھی، اور عبادت کے مقابلہ میں عبارت (باتیں بنانے کی) تو کوئی وقعت نہیں ہوتی!

❁ ❁ ❁

Marfat.com

حاصلِ کلام

جو کام ہم نے اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے، اس کے اولیاء کرام میں سے دو عظیم اور محترم ہستیوں کی مقدس اور پاکیزہ روحوں کی خوشنودی اور امت مسلمہ خصوصاً برعظیم جنوبی ایشیا کی امت مسلمہ کی بھلائی اور خیر خواہی کی خاطر انجام دینے کا عزم کیا تھا، الحمدللہ، وہ کام تکمیل پا گیا، ہمیں امید ہے کہ اللہ رب العزت اس حقیر سے معمولی سے کام کو قبولیت کا شرف بھی بخشیں گے، **وھو علی ذلک قدیر وبالقبول جدیر**، ہمارے اس انتہائی متواضع اور معمولی کام کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تھا!

لیکن اس کام کے مقاصد بھی تھے اور ان میں سب سے بڑا اور اولین مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضرت داتا پیر، رحمۃ اللہ علیہ، کی روح پرفتوح کی خوشنودی تھی، نیت یہ تھی کہ جس عظیم و جلیل ہستی نے اپنے دم واپسیں اور حیاتِ مستعار کے لمحۂ آخرین تک سید ہجویر کے کردار کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنانے کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور انہیں مرشد لاہور بنانے اور بتکدہ ہند میں شجرۂ اسلام کا بیج بونے کے قابل بنایا ان کے اس حسن عمل کا شکریہ ادا کیا جائے اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے اس عملِ صالح کو ریاکاری سے پاک رکھنے کے لئے کوہِ لکام اور بیت الجن میں گمنامی کی زندگی کے لئے کوشاں رہے مگر بایں ہمہ سید ہجویر کو مرشد لاہور بنانے کا تاریخی ہی نہیں تاریخ ساز کردار ادا کر گئے، حضرت ختلی بھی اپنے وقت کے سید مولوی میر حسن تھے، ایک نے اقبال کا کردار بنایا تو دوسرے نے سید ہجویر کو گنج بخش فیض اسلام بنا کر صرف اہل لاہور پر ہی نہیں بلکہ برعظیم کی پوری ملت اسلامیہ پر احسان کیا، اس لئے ہم جس طرح استاذ اقبال مولوی میر حسن کے ممنون احسان اور شکر گزار ہیں۔ اسی طرح مرشدِ لاہور کے

Marfat.com

مرشد و مربی حضرت ختلیؒ کے بھی احسان مند اور سپاس گزار ہیں اور دارالسلام میں ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہیں۔

رہے مولوی سید میر حسن، رحمۃ اللہ علیہ، تو ان کے لئے تو خود حضرت علامہ اقبال نے حکومت وقت سے ''شمس العلماء'' کا خطاب مانگا تھا، بزورِ اصرار مانگا تھا اور دلوا کر چھوڑا تھا۔ پوری ملتِ اسلامیہ سید میر حسن کی بھی شکر گزار ہے، لیکن مرشد لاہور بھی اپنے سیرت ساز اور پیرو مرشد کے لئے انہیں ''زَیْنِ اَوْتاد و شیخِ عُبّاد'' یعنی ابدالوں اور اوتادوں کی زینت اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کے مرشد و امام قرار دے کر برعظیم کی ملت اسلامیہ سے اپنے پیرو مرشد کے لئے اعزاز و اکرام کی سفارش کر گئے ہیں، ہم سے اور تو کچھ ہو نہ سکا، یہ چند سطور لکھ کر ان کی شخصیت کو کچھ اجاگر کیا ہے اور ان کی روح پرفتوح کی خدمت میں چند حروف و الفاظ ہی کا ہدیہ پیش کیا ہے۔ گر قبول افتد..... اگر حق ادا نہیں ہو پایا اس لئے اس سمت میں مزید سوچیں گے اور ابھی بہت کچھ اور کریں گے، ان شاءاللہ!

اس متواضع کاوش کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امت کی نوجوان نسل کو اس حقیقت کا احساس دلایا جائے کہ امت اسلام کی روح باہمی مشاورت اور جمہوریت ہے چودہ صدیوں سے یہ روح اپنے اس حق کے لئے تڑپ رہی ہے، تاریخ میں صرف ایک بار علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کی مخلصانہ کوششوں سے یہ حق صرف ملتِ اسلامیہ برعظیم پاک و ہند کو میسر آیا تھا تو اس عزم عالی شان کی مالک قوم نے جمہوری فیصلہ سے بیسویں صدی میں بقول ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری اسلام کا معجزہ دکھاتے ہوئے پاکستان بھی بنا دیا اور محمد علی جناح کو اپنا لیڈر بھی منوا لیا، چونکہ اس امت سے حیلہ گر مکاروں نے یہ جمہوری حق چھین لیا ہے اس لئے یہ عطیۂ جمہوریت دولخت ہو گیا اور باقی ماندہ پاکستان بھی لرزاں ہے، اس لرزتے پاکستان کو صرف عوام کا جمہوری حق ہی بچا سکتا ہے، اس حق کے لئے اس زرخیز مٹی کو اقبال کے الفاظ میں ذرا نم درکار ہو گی اور یہ نم سیرت مصطفیٰ ﷺ کے مطالعہ سے آئے گی جو قدم قدم پر امت کے

Marfat.com

جمہور سے مشاورت فرماتے تھے، جب وہ اللہ کے حکم سے جمہوری مشاورت کے پابند تھے تو آج اس آمرانہ موروثیت کے یہ پجاری جمہوری پاکستان سے یہ حق چھیننے والے کون ہوتے ہیں؟ اس کے لئے نوجوانوں کو برعظیم کے صوفیاء کرام اولیاء اللہ کے عملی کردار کا مطالعہ کرنا ہوگا جنہوں نے اپنے دینی نظام میں بھی یزیدی موروثیت کو ٹھکرا کر مصطفوی شورائی جمہوریت کو اپنایا، یہ کتاب نوجوان مسلمان کے لئے تمہید اور مفتاحِ جمہوریت کا کام دے گی، ان شاء اللہ!

اس معمولی کاوش کے بڑے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد جنوبی ایشیا کے مسلم نوجوان سمیت سب مسلم نوجوانوں میں یہ احساس وشعور پختہ کرنا ہے کہ قومی قیادت ہمیشہ آزادانہ جمہوری سوچ اور کردار سے پیدا ہوتی ہے، امت اسلام سے یہ آزادانہ جمہوری سوچ اور کردار چھین لیا گیا ہے، گویا امت کی روح کھینچ لی گئی ہے، چنانچہ آج امت پر یزیدی موروثیت کے متعفن لاشے مسلط ہو گئے ہیں جو اپنے پیٹ اور سامراجی آقاؤں کی خوشنودی کے سوا نہ کچھ سوچ سکتے ہیں نہ کر سکتے ہیں، ملک جائے بھاڑ میں قوم جائے جہنم میں ان کی بلا سے! ان کے پیٹ بھرنا چاہئیں اور ان کے سامراجی آقا خوش رہیں مگر مسلمانوں کو دوہری غلامی میں جکڑنے والے یہ متعفن لاشے آئے کہاں سے؟ ان متعفن لاشوں کو ہم پر مسلط کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے امت اسلام سے جمہوری روح چھین لی! وہی جو اسلامی اخوت، مساوات اور نعرۂ عدل وانصاف سے ڈرتے، بدکتے اور اسے اپنی موت سمجھتے ہیں! وہی نسلی برتری اور غرور کے نشے میں پاگل! نسلی برتری اور نسلی غرور سے چور صیہونی اور بت پرست، برہمن جنہوں نے آج انکل سام کو اپنی سواری اور بار برداری کا خچر بنا رکھا ہے!

اگر مسلم نوجوان اس حقیقت کو جان لیں اور مان لیں تو آج ہی امت اسلام ہی نہیں پوری انسانیت کی تقدیر بدل سکتی ہے! وہی انسانیت جو آج رنگ ونسل کے غرور کی زد میں ہے، جو عزت نفس کو ترس گئی ہے، جو آزادئ فکر وعمل سے محروم ہے، جو نسل پرستوں کی وجہ سے بھوک اور ننگ کا شکار ہے!

Marfat.com

یہ مختصر کتاب ہے تو حضرت داتا صاحب کے پیرومرشد کی سیرت وکردار کے متعلق مگر ہمارے ان بزرگوں کی سیرت وکردار بھی تو انسانیت کی بھلائی کے سوااور کچھ بھی نہیں ہے! اگر دنیا میں عدل قائم ہو جائے، انسان انسان کا خیر خواہ بن جائے، سب کو آزادی فکر وعمل حاصل ہو جائے انسانی برادری اور برابری کا ماحول قائم ہو جائے اور ہر انسان کو اس کا حق مل جائے تو یہی تو انسانیت کو مطلوب ہے، یہی تو اسلامی اخوت ومساوات کا مقصود ہے اور اسی کے لئے تو یہ صوفیاء کرام اور اولیاء عظام مصروف عمل رہے ہیں! اولین چشتی بزرگوں نے جس یزیدی موروثیت کو ٹھکرا کر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شورائی جمہوری نظام اپنانے کا اشارہ دیا ہے وہی مسلمانوں کا جمہوری ووٹ جس نے قیام پاکستان کا معجزہ کر دکھایا اور محمد علی جناح کو قائد اعظمؒ بنا دیا وہی مسلمانوں کا جمہوری اور آزادانہ ووٹ ہی آج بھی پاکستان کو سنبھال سکتا ہے اور نئی قیادت بھی پیدا کر سکتا ہے!

Marfat.com

حوالے اور حواشی

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

۱۔ قرآن کریم (۸۲،۸۱/۳)۔

۲۔ اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا (حالی)۔

۳۔ فیزک ۲۵۷-۲۵۴/۳۔

۴۔ قرآن کریم (۱۲۹/۲)۔

۵۔ ایضاً (۱۶۴/۳)۔

۶۔ ایضاً (۶۲/۲)۔

۷۔ فی ظلال القرآن (۳۲/۴)۔

۸۔ قرآن کریم (۱/۴)۔

۹۔ ایضاً (۸۲/۵)۔

۱۰۔ ایضاً (۹۵/۴)، (۷۰/۱۷)۔

۱۱۔ گلستان سعدی، ص ۱۱۳۔

۱۲۔ تاریخ الخمیس (۱۷۲/۲)۔

۱۳۔ اقبال کے نجوم ہدایت، ص ۱۲۳۔

۱۴۔ قرآن کریم (۳۸/۴۲)۔

۱۵۔ ایضاً (۱۵۹/۳)۔

۱۶۔ ایضاً (۱۸،۱۷/۳۹)۔

۱۷۔ الیعقوبی ص ۱۲۰-۱۳۴، محاضرات (۴۴۳/۱)، الکامل لابن الاثیر حوادث ۴۲۵ھ،

Marfat.com

سلطنت غزنویان، ص ۲۳۷۔

۱۸۔ داتا صاحب، ص ۱۶۸۔

۱۹۔ ایضاً ص ۱۱۶، ۱۳۲۔

Marfat.com

ختل سے بیت الجن تک

۱۔ عرب مؤرخین اور جغرافیہ نویس سنٹرل ایشیا کے ایک بہت بڑے علاقے کو خراسان لکھتے رہے ہیں اس میں ختل، بلخ اور سمرقند و بخارا بھی شامل رہے ہیں، قدیم خراسان کے کچھ علاقے اب ایران میں اور کچھ افغانستان میں شامل ہو چکے ہیں، اسی طرح ترکمانستان اور تاجکستان کے بعض علاقے بھی قدیم خراسان کا حصہ تھے، ماوراء النہر کے لفظی معنی ہیں، دریا کے پیچھے یا دریا کے اس طرف، اسے دریائے جیحون اور آمو دریا بھی کہتے ہیں، انگلش میں اسے (Transoxiana) کہتے ہیں، ختلان یا بلاد ختلان ختل اور وخش کی متحدہ انتظامی وحدت کو کہا جاتا تھا۔

۲۔ کتاب الانساب ۲/۳۲۲۔۳۲۳، الیعقوبی ص ۱۲۲۔۱۳۰، معجم البلدان ۴/۳۴۶۔

۳۔ فتوحات اسلام کے وقت اور بعد میں ایک مدت تک عظیم تر شام میں موجودہ ملک شام، لبنان، اردن اور فلسطین بشمول مقبوضہ یہودی علاقے شامل تھے۔

۴۔ کشف عابدی، ص ۲۵۲، ۲۵۳۔

۵۔ ایضاً، اسرار التوحید، ص ۳۶۸، ۳۶۹۔

۶۔ قرآن کریم (۷/۲۵،۷۰/۵۴، ۹۵/۴)۔

۷۔ ایضاً (۵۲/۲۱)۔

۸۔ ایضاً (۴۹/۱۳)۔

۹۔ اسرار التوحید، ص ۳۶۹۔

۱۰۔ پرانے اہم مقامات، شہروں اور ملکوں کے متعلق معلومات کے لئے کتاب البلدان (الیعقوبی)، معجم البلدان (یاقوت الحموی)، کتاب الانساب (سمعانی)، الاکمال

Marfat.com

(ابن ماکولا)، تکملۃ الاکمال، معجم ما استعجم (ابو عبید)، اللباب فی تہذیب الانساب (ابن اثیر) لب اللباب (سیوطی)، صورۃ الارض (ابن حوقل)، المسالک والممالک (خرداذبہ)، مسالک الممالک (ابن الفقیہ)، کتاب المسالک (اصطخری)، نزہۃ المشتاق (ادریسی)، حدود العالم (فارسی)، تعلیقات کشف المحجوب (ڈاکٹر عابدی)، تعلیقات نفحات الانس (ڈاکٹر عابدی)۔

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے: سِیَاحَۃُ امتی الجہادُ یعنی میری امت کی سیاحت بھی جہاد ہے، رواہ ابو داؤد، فی کتاب الجہاد۔

۱۲۔ کتاب البلدان، ص ۱۲۲، ۱۳۱۔

۱۳۔ ختل اور ختلان کے متعلق عربی مصادر ومنابع میں عجب اختلاف واضطراب پایا جاتا ہے، لفظ ختل کی خاء اور تاء کے تلفظ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کے متعلق سمعانی (الانساب) نے تفصیل سے بتایا ہے، البارودی نے انساب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ختل بضم المعجمۃ وتشدید الفوقیۃ مع ضمہا وفتحہا یعنی خاء پر پیش اور تا مشدد ہے، تاء پر پیش اور زبر بھی آیا ہے، موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ختل کے مالک کو ختلان شاہ اور شیر ختلان بھی کہتے تھے، ختل اصل میں قوم کا نام ہے جس کی فارسی جمع ختلان بنائی گئی جیسے مرد سے مردان اور شاہ سے شاہان، تاہم موصوف نے ختلان کی خاء اور تاء کے تلفظ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا مگر بعض مصادر عربیہ میں ختلان کی خاء پر زبر آئی ہے، بعض مصادر میں بتایا گیا ہے کہ ختل اور وخش کو ملا کر یا کچھ اور شہر اور علاقوں کو ملا کر ایک انتظامی وحدت بنائی جاتی تھی جسے ختلان، بلاد ختلان اور مملکت طخارستان کہا جاتا تھا، اگر ختل جگہ کے بجائے قوم کا نام ہے، جیسا کہ بارودی نے ابھی بتایا ہے تو پھر ختل قوم کا مالک کے بجائے سردار یا حکمران کہنا چاہئے تھا، نسبت اگر ختل کی طرف ہو تو ختلی ٹھیک ہے اور ختلان کی طرف ہو تو پھر ختلانی نسبت ہوگی مگر کسی نے بھی ختلانی

Marfat.com

استعمال نہیں کیا!

۱۴۔ الیعقوبی ص ۱۲۲۔۱۳۰، یاقوت ۴/ ۳۶۴، ۳، اصطخری ص ۵۷، خرداذبہ ص ۴۳۔

۱۵۔ کتاب البلدان ص ۱۲۲۔

۱۶۔ حدود العالم ص ۱۷۳۔

۱۷۔ کتاب الانساب ص ۳۲۲۔

۱۸۔ منجد الاعلام للیسوعی ص ۲۶۷۔

۱۹۔ Arab Conquests in Central Asia, Page 273.

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ کتاب البلدان للیعقوبی، ص ۱۲۲۔۱۳۰۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ابن الجوزی: سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ص ۲۲۳۔

۲۷۔ ایضاً، البلدان، ص ۱۲۲۔۳۲۹۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ کلیات اقبال اردو، ص ۳۲۴۔

۳۱۔ اللمع، ص ۲۷۳، الرسالۃ القشیریہ ص ۲۲۳۔

۳۲۔ کلیات اقبال اردو، ص ۲۲۱۔

۳۳۔ کشف عابدی مقدمہ، ص ہجد ہ۔

Marfat.com

۳۴۔ محاضرات الخضری ۲/۵۴۵۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ آفاق الثقافۃ والتراث، اکتوبر ۲۰۱۰ء۔

۳۷۔ ابوالعلاء وما الیہ للمیمنی ص ۱۱۳۔

۳۸۔ کتاب الانساب ۲/۳۲۳۔

۳۹۔ المقدمۃ ص ۴۲۳۔

۴۰۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۲۱، خطب المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۱۔ کامریڈ میں مولانا محمد علی جوہر کے مضامین اور عوامی تقاریر میں فصاحتؒ و بلاغت کو انگریز بھی مانتے تھے، اسی طرح ''مائی قائد'' کے مصنف اور معروف صحافی جناب زیڈ۔اے۔سلہری کو بھی انگریزی زبان میں سب نے برتر امتیاز کا مالک مانا ہے!

۴۲۔ محاضرات الخضری ۲/۳۳۔

۴۳۔ اسرار التوحید ص ۳۶۹، کشف عابدی (تعلیقات)، تحقیقات ص ۴۷۳۔

۴۴۔ ایضاً، کتاب الانساب ۲/۳۲۲......۳۲۳۔

۴۵۔ ایضاً۔

۴۶۔ ایضاً۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ اسرار التوحید ص ۳۶۹، کشف عابدی (تعلیقات) نفحات عابدی (تعلیقات)۔

۴۹۔ دیوان المتنبی ص ۵۷۴۔

۵۰۔ ایضاً، معجم البلدان ۴/۳۶۴۔

۵۱۔ ایضاً۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

شیخ ابو الفضل الختلی الشامی

۱۔ کشف عابدی، مقدمہ ص دوازدہ۔
۲۔ فکر و نظر، اسلام آباد، اپریل ...... جون ۲۰۱۱ء۔
۳۔ کتاب کا گزشتہ باب ملاحظہ فرمائیے۔
۴۔ کشف عابدی ص ۲۵۲۔
۵۔ ایضاً، مقدمہ ص سیزدہ۔
۶۔ ایضاً۔
۷۔ تاریخ بغداد نمبر ۴۹۷۔
۸۔ ایضاً۔
۹۔ الیعقوبی ص ۱۲۲۔۱۳۰۔
۱۰۔ H.A.R Gib, Page 136.
۱۱۔ اسرار التوحید ص ۱۶۸۔۱۶۹، انساب ۲/۳۲۲، تاریخ بغداد نمبر ۴۹۷۔
۱۲۔ نام اور کنیت کی یہ شاندار روایت اسلامی مشرق کے علاوہ اسلامی اندلس، شمالی افریقہ اور پوری دنیا میں کل بھی اور آج بھی مروج ہے۔
۱۳۔ الیعقوبی ص ۱۲۲۔۱۳۰، فتوح البلدان ۲/۱۱۵، الطبری ۳/۳۱۳۔
۱۴۔ داتا صاحب ص ۱۱۶، ۱۶۸، ۲۷۰۔
۱۵۔ کشف عابدی، مقدمہ ص ہجرہ۔
۱۶۔ ایضاً۔

Marfat.com

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ طبقات الصوفیۃ للسلمی، ص ۱۲۰۔

۲۰۔ کشف عابدی، ص ۵۵۳۔

۲۱۔ تاریخ بغداد نمبر ۴۹۷، انساب ۳۲۲/۲۔

۲۲۔ اسرار التوحید، ص ۱۶۸۔۱۶۹۔

۲۳۔ کشف عابدی، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۷۷، ۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۲۶۔ معارف فریدیہ، ص ۱۱۔۱۶۔

۲۷۔ الروض الانف للسہیلی ۲۱۵/۱۔

۲۸۔ کشف عابدی، ص

۲۹۔ کلیات اقبال اردو، ص ۲۵۷۔

۳۰۔ اسرار التوحید، ص ۱۶۸۔۱۶۹۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ ایضاً۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ کشف عابدی، مقدمہ، ص چہاردہ، پانزدہ۔

۳۵۔ ذہبی کا یہ حوالہ پروفیسر عبدالرشید نے پروفیسر گب سے منسوب کیا ہے اور مولوی شفیع نے ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام کا حوالہ دیا ہے مگر یہ ۴۶۰ھ کی وفیات میں موجود نہیں ہے، البتہ ایک ختلی اور ایک محمد بن الحسن کی وفیات کا اس سال میں ذکر ہے مگر یہ ختلی

Marfat.com

بھی کوئی اور ہے اور یہ محمد بن الحسن بھی ختلی نہیں بلکہ ایک رافضی عالم تھا، ظاہر ہے جس طرح ہر ختلی ''محمد بن الحسن بن علی'' نہیں ہوسکتا اسی طرح ہر ختلی بھی محمد بن الحسن بن علی نہیں ہوسکتا!

۳۶۔ کشف عابدی، ص ۲۵۶۔ ۲۷۔
۳۷۔ کشف عابدی، مقدمہ۔
۳۸۔ اسرارالتوحید، ص ۱۶۸۔ ۱۶۹۔
۳۹۔ ایضاً۔
۴۰۔ ایضاً۔
۴۱۔ کشف عابدی، ص ۷۷۔
۴۲۔ کتاب کا آئندہ باب ملاحظہ فرمائیے۔
۴۳۔ کشف عابدی، ص ۳۵۰۔
۴۴۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔ ۲۵۳۔
۴۵۔ اسرارالتوحید، ص ۱۶۸، ۱۶۹۔
۴۶۔ کشف عابدی، ص ۱۳۹۔
۴۷۔ ایضاً۔
۴۸۔ ایضاً۔
۴۹۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔ ۲۵۳۔
۵۰۔ ایضاً۔
۵۱۔ ایضاً۔
۵۲۔ ایضاً۔
۵۳۔ جیسے خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہور، اردو ترجمہ سفینۃ الاولیاء از داراشکوہ،

Marfat.com

ص ۵۳ (اس اردو ترجمہ میں حضرت داتا صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ''شیخ ابوالفضل النحلی'' کے مریدین میں سے تھے، گویا الختلی کو النحلی بنا دیا ہے؟!) اور تحقیقات چشتی اردو ص ۱۶۵ وغیرہ۔

۵۴۔ خزینة الاصفیاء، ص ۸۸۴۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

سید ہجویر کے پیرومرشد کشف المحجوب کی روشنی میں

۱۔ کشف عابدی ص۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۔ ایضاً، تاریخ بغداد رقم ۵۹۷۔

۳۔ فوائد الفواد (فارسی طبع لاہور ص ۵۷، داتا صاحب ص ۱۴۸)۔

۴۔ خطیب بغدادی (رقم ۵۹۷) نے ختل ہی کے ایک عالم حدیث کا نام ونسب تو یہی لکھا ہے مگر کنیت ابوبکر لکھی ہے، شاید یہ کسی اشتباہ یا مغالطہ کا نتیجہ ہو؟

۵۔ سنہ ۴۴۰ھ میں حضرت ختلی اکتساب فیض کے لئے پیر میہنہ حضرت ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ''زینِ اوتادو شیخ عُبادؔ'' (کشف عابدی ص۲۵۲) اسی ۸۰ سال کے تھے، مگر پتہ چلا کہ پیر میہنہ کا تو اسی سال وصال ہو چکا تھا، مفتی غلام سرور لاہوری نے نفحات الانس کے ایک مجہول الکاتب حاشیہ کی بنیاد پر شیخ ختلی کی وفات ۴۵۳ھ بتائی ہے اور ڈاکٹر عابدی نے اسی کو قریب قیاس مانا ہے، اگر یہ سب درست ہے تو پھر حضرت شیخ ختلی شامی کی پیدائش کا سال ۳۶۰ھ بنتا ہے اور اگر ڈاکٹر عابدی کی یہ بات بھی مان لی جائے کہ اسی موقع پر سید ہجویری کی اپنے مرشد سے پہلی ملاقات اور تعارف بھی ہوا اور پھر پیری مریدی قائم ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داتا صاحب کی حضرت ختلی سے بیعت ورفاقت کو تقریباً صرف تیرہ سال ملے مگر ہمیں ڈاکٹر عابدی سے اس نقطہ پر اختلاف ہے!!

۶۔ علامہ محمد الخضری ۱/۱۱۳، پی۔کے ہٹی، ص ۵۵۲۔

۷۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳، پروفیسر عبدالرشید، ص ۱۶۸۔

Marfat.com

۸۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۱۳۵۔

۹۔ حکیم محمد موسی امرتسری ص ۲۴، داتا صاحب، ص ۲۷۳۔

۱۰۔ القران الکریم (۳۰۶/۱۶، ۶۹/۲۷، ۲۰/۲۹)۔

۱۱۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۶۴۷۔

۱۲۔ حضرت ختلی کے عہد کا شام تو عظیم تر شام تھا جس میں آج کے شام سمیت، لبنان فلسطین (بشمول اسرائیل) اور اردن بھی شامل تھے!

۱۳۔ کشف عابدی، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً ص ۲۸۲۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۱۷۔ ایضاً ص ۵۰۷۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً ص ۷۷، القرآن الکریم (۱۸۶/۲)۔

۲۱۔ القرآن الکریم (۱۰۴/۱۸)۔

۲۲۔ الخضری ۳۰۲/۱، الکامل فی التاریخ ۶۱۵/۷، ھجی، ص ۳۱۳۔

۲۳۔ کشف عابدی، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً ص ۲۵۳۔

Marfat.com

۲۸۔ القرآن الکریم (۵۱/۴۰)۔

۲۹۔ کشف عابدی، ص ۲۵۳۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۵۰، القرآن الکریم (۵۱/۴۰)۔

۳۱۔ القرآن الکریم (۶۲/۱۰)۔

۳۲۔ کشف عابدی، ص ۳۴۱۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۳۳۳، القرآن الکریم (۳/۶۵)۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۸۳، ۲۸۶، ۳۳۶، ۳۶۲، ۳۶۹۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۵۵، نذر نصیر گیلانی، ص ۲۱۲۔

۳۹۔ کشف عابدی، ص ۵۵۳۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۵۴۹۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۴۹۔۵۵۰۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۵۵۰۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۳۱۳۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۵۲۱۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۵۵۰۔

۴۷۔ القرآن الکریم (۱۸۶/۲)۔

۴۸۔ کشف عابدی، ص ۵۵۱، ۵۶۸۔

Marfat.com

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۲۴۳۔

۵۱۔ کشف عابدی، ص ۵۷۱۔۵۷۹۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔

۵۳۔ بوستان سعدی، ص ۱۱۳۔

۵۴۔ کشف عابدی، ص ۱۳۹۔

Marfat.com

جنیدی مسلک تصوف اور مرشد لاہور

۱۔ الخضری ۱/۴۱۴، الطبری ۳/۳۱۱، الکامل ۲/۶۱۷۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۶۷۔۱۷۹۔

۴۔ کشف عابدی ص ۱۶۸۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۶۔

۱۰۔ ایضاً، ۱۷۳۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۹۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۱۴۔ دیوان المتنبی، ص ۱۴۔

۱۵۔ کشف عابدی، ص ۱۹۷۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۹۸۔

۱۷۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ از احمد بخش سیال، ص ۴۲۲۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۲۳۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۲۵۔

Marfat.com

۲۰۔ کشف عابدی، ص ۱۶۲۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۹۹۔۳۰۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۲۷۔۲۲۹۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۴۳۱۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۳۶، سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۹۹۔۲۰۰۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ قرآن کریم (۵/۱۰۳)۔

۳۲۔ سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۹۹، کشف عابدی ص ۲۲۷۔

۳۳۔ طبقات الصوفیۃ ص ۱۲۰، کشف عابدی ص ۲۴۳۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۳۶۔ طبقات الصوفیۃ، ص ۱۲۰، کشف عابدی، ص ۲۴۳۔

۳۷۔ قرآن کریم (۵۷/۲۳)۔

۳۸۔ ایضاً۔

۳۹۔ ایضاً۔

۴۰۔ الایمان بین الخوف والرجاء، بقول اقبال

چنین فرمودۂ سلطانِ بدر است
کہ ایماں درمیان جبر و قدر است

Marfat.com

ا. فہرسِ آیاتِ قرآنیہ

ص۔۱۱٦	اِنَّ عِبَادِی	(۴۲/۱۵)
ص۔۱۰٦	اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا	(۵۱/۴۰)
ص۔۱۲	اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ	(۳۸/۴۲)
ص۔۲۲،۲۲،۷	سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ	(۲۰/۲۹)
ص۔۱۲	شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ	(۳۵۹/۳)
ص۔۵۹	ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ	(۲۱/۵۷)
ص۔۱۱۹	قُلْ لِّعِبَادِی	(۱۳۱/۱۴)
ص۔۱۴٦	قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ	(۳۰/۲۴)
ص۔۱۹	کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ	(۲۱/۵۲)
ص۔۱۴۹	لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ	(۳/٦)
ص۔۱۱۹	وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ	(۱۸٦/۲)
ص۔۱۱۹	نِعْمَ الْعَبْدُ	(۴۴،۳۰/۳۸)
ص۔۱۲	یٰاَیُّهَا النَّاسُ.......... اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ	(۱۳/۴۹)
ص۔۱۲	یَا عِبَادِ	(٦۸/۴۳)

Marfat.com

۲. فہرسِ أحادیثِ نبویہ ﷺ

ص۔۷ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم

ص۔۱۲۷ أنا مدینة العلم و علی بابها

ص۔۴۹ إن اللّٰه یحب معالی الأمور ویکره سفاسفها

ص۔۱۷۲ الإیمان بین الخوف والرجاء

ص۔۴۴ أیها الناس إن الرب رب واحد...... ومن تکلم بالعربیة فهو عربی

ص۔۲۱ حب الوطن من الإیمان

ص۔۶۵/۱۳۳ رب أشعث أغیر لو أقسم علی اللّٰه لأبره

ص۔۱۵۹ سیاحة امتی الجهاد

ص۔۴۲ طلب العلم فریضة علی کلم مسلم

Marfat.com

۳. فهرسِ ابیات شعریه

اولاً، عربی

ص-۲۳ أیها السائل عن الحارث النز ـ لِ وعن أهل وده الأرجاس
عُدَّ من خُتَّل فختَّلّ اَرْضٌ ـ عُرفت بالدوّاب لا بالناس

ص-۵۲ بأرضٍ ما اشتهیتُ رأیتُ فیها ـ فلیس یفوتها إلا الکرام
بها الجبلانِ من صخرٍ و فخرٍ ـ انا فاذا المغیث وذا اللکام

ص-۱۰۹ شربت الراح کأسا بعد کأس ـ فما نفد الشراب و مارویت

ص-۵۱ مغانی الشِعُب طیبا فی المغانی ـ بمنزلة الربیع من الزمان

ص-۱۳۶ و بأ ضدادها تتبین الأشیاء

ثانیا، فارسی

ص-۱۰ بنی آدم اعضائے یکد یگراند ـ که در آفرینش زیک جوهر اند

ص-۸۶ پیر ابوالفضل بن حسن ختلی ـ بود شیخِ هر صغار و کبار

ص-۱۲۰ تبسم کنان دست بر لب گرفت ـ که سعدی مدار آنچه دیدی شگفت

ص-۱۴۲ چنیں فرمودهٔ سلطان بدر است ـ که ایمان درمیان جبر و قدر استه

ص-۷۱ چهل سال عمر عزیزت گزشت ـ مزاج تو از حال طفلی نگشت

ص-۷۶ کیمیا پیدا کن از مشت گلے ـ بوسه زن هر آستان کاملے

Marfat.com

ص۔۱۴۷ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

ص۔۲۱ ماز آغاز و از انجام جہاں بے خبریم — اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتاد است

ص۔۵ ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ص۔۹۱ ہر ملک ملک ماست — کہ ملک خدائے ما است

ثالثاً، اردو

ص۔۱۹ اب کوئی کسی سے بیعت طلب نہیں کرتا — کہ اہلِ تخت کے ذہنوں میں ڈر حسینؓ کا ہے

ص۔۹/۱۵۶ اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

ص۔۳۳ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ص۔۱۳ قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ص۔۸۱ کافر ہے مسلماں تو شاہی نہ فقیری — مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

ص۔۳۹ مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

ص۔۱۱۸ نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!

Marfat.com

۴. فہرس مصادر و مراجع

- القرآن الکریم، المنزل من اللّٰہ عزوجل علی قلب سیدنا محمد ﷺ.
- الجامع الصحیح للبخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، رحمہ اللّٰہ.
- الجامع الصحیح لمسلم، مسلم بن الحجاج، رحمہ اللّٰہ.
- سنن ابی داؤد، سلیمان بن الاشعث ابوداؤد، رحمہ اللّٰہ.
- کتاب اللمع فی التصوف، ابو نصر عبداللّٰہ سراج طوسی.
- حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم الاصبہانی.
- کشف المحجوب، ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی، رحمہ اللّٰہ، تحقیق ڈاکٹر عابدی، طہران.
- نفحات الانس للجامی، تحقیق ڈاکٹر محمود عابدی، طہران.
- اسرار التوحید فی مناقب الشیخ ابی سعید، محمد بن منور میہنی، طہران.
- سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ، مطبوعہ، لاہور.
- خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مطبوعہ، لاہور.
- کتاب البلدان، ابو اسحاق احمد الیعقوبی، مطبوعہ، بیروت.
- فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ البلاذری، مطبوعہ، قاہرہ.
- معجم البلدان، یاقوت الحموی، مطبوعہ، بیروت.
- معجم ما استعجم، ابو عبید عبدالعزیز، البکری.
- کتاب الانساب، عبدالکریم بن محمد السمعانی.
- تاریخ الاسلام، امام شمس الدین محمد الذہبی.
- محاضرات تاریخ الامم الاسلامیۃ، محمد الخضری المصری.
- ابو العلاء وما إلیہ عبدالعزیز المیمنی، رحمہ اللّٰہ.
- المقدمۃ، العلامۃ عبدالرحمن ابن خلدون، رحمہ اللّٰہ.
- معارفِ فریدیہ، بابا فرید الدین مسعود، گنج شکر، رحمہ اللّٰہ.

Marfat.com

- الکامل فی التاریخ، ابوالحسن علی ابن الاثیر، رحمۃ اللہ علیہ۔
- اقبال کے نجوم ھدایت، مطبوعہ، فیروز سنز، لاھور۔
- فی ظلال القرآن، از سید قطب شھید، ۱، ۳، ۳۰، بیروت۔
- تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، حسین الدیار بکری، بیروت۔
- گلستان سعدی، مصلح الدین سعدی شیرازی، مطبوعہ، لاھور۔
- کریما، شیخ سعدی شیرازی، مطبوعہ، لاھور۔
- حدود العالم، فارسی، مجھول المؤلف۔
- کلیات اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاھور۔
- الرسالۃ القشیریۃ، ابوالقاسم القشیری، بیروت۔
- منجد الاعلام، معلوف الیسوعی، بیروت۔
- اقتضاء الصراط المستقیم، ابن تیمیہ، الریاض، سعودی عرب۔
- دیوان المتنبی، احمد ابو الطیب المتنبی، قاھرہ۔
- طبقات الصوفیۃ عبدالرحم السلمی، تحقیق احمد الشرباص، قاھرہ۔
- تذکرۃ الاولیاء، فرید الدین عطار، طھران۔
- الروض الأنف، عبدالرحمن السھیلی، ملتان، ۱۹۷۶ء۔
- تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی۔
- نذر نصیر گیلانی، مجموعہ مقالات، مطبوعہ، فیصل آباد، ۲۰۱۰ع۔
- بوستان سعدی، مصلح الدین شیرازی، مطبوعہ، لاھور۔
- العقد الفرید، ابن عبدربہ، قاھرہ ۱۳۳۱ھ۔
- کشف الظنون، حاجی خلیفہ، بیروت، ۱۹۴۱ع۔
- لب اللباب، جلال الدین سیوطی، قاھرہ۔
- زندہ رود، ڈاکٹر جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاھور۔
- اقبال اور ملی تشخص، ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام، ۱۹۹۸ء، لاھور۔
- الاعلان بالتوبیخ، شمس الدین سخاوی، اردو ترجمہ، لاھور، ۱۹۷۸ء۔
- روائع اقبال سید ابوالحسن علی ندوی، اردو ترجمہ، ۱۹۸۸ء، کراچی۔

Marfat.com

۵. فہرسِ اختصارات

- آفاق: مجلة، آفاق الثقافة والتراث، مرکز جمعة الماجد، دبی
- اسرار التوحید: محمد بن منور مهنی: اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید
- اصطخری: ابواسحاق ابراهیم الاصطخری: مسالک الممالک
- انساب (الانساب): عبدالکریم بن محمد السمعانی: کتاب الانساب
- البلدان: ابواسحاق احمد الیعقوبی: کتاب البلدان
- ابن الجوزی: عبدالرحمن ابن الجوزی سیرة عمر بن عبدالعزیز
- خرداذبه: عبداللّٰه بن احمد الفارسی خرداذبه: المسالک والممالک
- الخضری: پروفیسر محمد الخضری: محاضرات تاریخ الأمم الاسلامیة 1-2
- داتا صاحب: اکرام چغتائی: داتا صاحب (مجموعه کتب و مقالات)
- ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث ابوداؤد: سنن أبی داؤد.
- ڈاکٹر عابدی: ڈاکٹر محمود عابدی ایرانی سکالر محقق کتاب کشف المحجوب
- الطبری: محمد بن جریری الطبری: تاریخ الرسل و الملوک
- ابوعُبید: عبدالعزیز ابوعبید البکری: معجم ما استعجم
- ابن الفقیه: احمد ابوبکر الفقیه الهمدانی: مختصر کتاب البلدان
- الکامل: علی ابوالحسن ابن الاثیر: الکامل فی التاریخ.
- کشف عابدی: ڈاکٹر محمود عابدی، محقق کتاب کشف المحجوب، طہران ایڈیشن
- گب: Arab Conquests in Central Asia: By H.A.R Gib
- اللمع: عبداللّٰه ابونصر سراج طوسی: کتاب اللمع فی التصوف
- محاضرات: تاریخ الامم الاسلامیة، محمد الخضری
- معارف فریدیه: بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ
- المقدمة: عبدالرحمٰن ابن خلدون
- المیمنی: پروفیسر محمود عابدی، محقق کتاب نفحات الانس از عبدالرحمن جامی
- یاقوت: یاقوت الحموی: معجم البلدان
- الیعقوبی: ابواسحاق احمد الیعقوبی فی کتاب البلدان

Marfat.com

۶. فہرسِ موضوعات

○	تمہید	1
○	مقدمہ	5
○	ختل سے بیت الجن تک	17
○	شیخ ابو الفضل ختلی شامی	53
○	سید ہجویر کے پیرو مرشد کشف المحجوب کی روشنی میں	89
○	جنیدی مسلک تصوف اور مرشد لاہور	127
○	حاصلِ کلام	153
○	حوالے اور حواشی	157

Marfat.com

۷. فِہرِسِ فہارس

○	فہرسِ آیاتِ قرآنیہ	
○	فہرسِ احادیث نبویہؐ	
○	فہرسِ ابیات شعریہ	
○	فہرسِ مصادر و مراجع	
○	فہرسِ اختصارات	
○	فہرسِ موضوعات	
○	فہرسِ فہارس	

Marfat.com

Marfat.com

ضروری نوٹس

Marfat.com

ضروری نوٹس

Marfat.com

ضروری نوٹس

Marfat.com

ضروری نوٹس

Marfat.com

Marfat.com

Shaikh of Syed Ali Hujveri

Shaikh Abu al Fazl Khuttali

Author

Dr. Zuhoor Ahmad Azhar

Prof. of Hujveri Chair

University of the Punjab

Lahore - Pakistan

Marfat.com